U420 P 27-110

Title - HASANUL BAYAAN FI SEERATI'L NUMAAN

Author - Maulana Mohd. Abdul Aziz.

Publisher - Matba Faruqi (Delhi).

Date - 1311.

Pages - 236.

Subject.

هذا بیان للناس

حسن البیان

فیما فی

سیرۃ النعمان

اس کتاب میں حدیث اور اصول حدیث اور سیرۃ محدثین کے متعلق بحثیں ہیں اور ان اعتراضوں کے جواب ہیں جو مولوی شبلی نعمانی نے علم حدیث اور ائمہ حدیث پر کیے ہیں اور اس موازنہ کی غلطی کا اظہار ہے جو انہوں نے حدیث اور فقہ کو ہم پلہ قرار دیا ہے اور مدح امام ابوحنیفہؒ کے مبالغہ میں محدثین کی اہانت کی ہے اور ان مسائل حدیثیہ و کلامیہ کی بھی تحقیق ہے جن پر امام ابوحنیفہ کی نصرت میں نعمانی صاحب نے رد و قدح کی ہے

مؤلفہ

مولانا محمد عبد العزیز صاحب

مطبع فاروقی دہلی میں مطبوع ہوئی

قیمت (عمر)

فہرست مضامین حسن البیان

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صواب
۱۶	۵	انکو ایمان کا بھی حکم ہوا۔	علاوہ جو لوگ ایمان لا چکے تھے انکو ایمان کا حکم ہوا
۱۹	۱۱	تارک ہوجائے	تارک ہونے
۲۹	۱۵	یہ بات	یہ بات ہے
۳۲	۹	کی یہ ہی	کی یہ ہے
۳۷	۱۶	تاویل	تعبیر
۴۱	۸	رکھتے ہیں	رکھتے تھے
۵۰	۱۴	بھم	ھم
۶۶	۴	امام حسن بصری	کہ امام حسن بصری
۸۳	۸	عند	عن
۹۷	۱۴	قلب	قلیب

صفحہ	سطر	غلط	صواب
۹۸	۱۵	گئی تھیں	گئے تھے
۱۰۸	۱۴	نغمۃ	نغمتہ
۱۱۳	۱۴	نکل آتا	نکل آیا
۱۱۷	۱۰	ہوئی ہے	ہولی ہے
۱۴۴	۷	یمشون	الذین یمشون
۱۶۰	۱۰	نکالا کر	نکالا
″	″	دیسکتے	دیسکے
۱۷۰	۲	کتابیں	رواۃ وکتابیں
۱۷۷	۵	صحابہ کے	صحابہ کا
۱۸۳	۷	جب	جو
۲۱۸	۱۴	کرسے	کرے

هٰذا بیانٌ للنّاس

حسن البیان
فیما فی
سیرة النعمان

اس کتاب میں حدیث اور اصول حدیث اور سیرۃ محدثین کے متعلق بحثیں ہیں اور اُن اعتراضوں کے جواب ہیں جو مولوی شبلی نعمانی نے علم حدیث اور ائمۂ حدیث پر کیئے ہیں اور اُس موازنہ کی غلطی کا اظہار ہے جو انھوں نے حدیث اور فقہ کو ہم پلہ قرار دیا ہی اور مدح امام ابو حنیفہ رح کے مبالغہ میں محدثین کی اہانت کی ہی اور اُن مسائل حدیثیہ و کلامیہ کی بھی تحقیق ہے جنپر امام ابو حنیفہ رح کی نصرت میں نعمانی صاحب نے رد و قدح کی ہی

مؤلفہ عبد العزیز رحیم آبادی

مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد خدا خالق ارض و سما | کو بفرستاد پیمبر بما
بهر خودش طالب طاعت زما | بهر نبی خواست اطاعت زما
کرد دریں عرصهٔ نیم وجود | منع بجز ذات خدا را سجود
پس به نبی باد درود و سلام | باز بر اصحاب و بر آل کرام
احمد و خشنور سر سروران | ختم رسل خاتم پیغمبران
تا ببرد ظلمت آفاق گیر | ذات حقش کرد سراج منیر
مهر نبی داری و فرمانبری | بیشکی از جادهٔ شیطان بری
عشق بجز پیرویش رایگان | فاتبعونی تو بقرآن بخوان
وه چه خوشا مذهب اهل حدیث | رجم شهاب ست بدیو خبیث
آمده قرآن و حدیث رسول | بهر علوم دگر اصل الاصول

از پی علم دگر است این عماد | فقه بود خواه بود اجتهاد
هرزه درائی مکن و هوش کن | گفتهٔ من از ته دل گوش کن
علم حدیث آمده دریای ژرف | از پی غواصی طبع شگرف
در خور هر خار و خسی نیست این | بازی هر بوالهوسی نیست این
سیرت نعمان که بر خواندهٔ | در ره تلبیس فرس راندهٔ
ذکر جمیل علمای عظام | مجتهدان و فقهای کرام
نیست درین باب کلام و سخن | کاین همه خود آمده فعل حسن
تذکرهای علمای حدیث | کز دل و جان اند فدای حدیث
قوم که پا در طلبش سوده اند | مجتهدان نیز از آن بوده اند
در رقمش طرفه غضب کردهٔ | در حق شان سوء ادب کردهٔ
از ره انصاف بگو کی رواست | روی جوابم همین مدعاست
گر بجوابم که بود یک ز صد | شمهٔ زین از نظرت بگذرد
طعنه مزن بر من و عذرم پذیر | کاین بره نقل بود ناگزیر
نقل نکردن نبود هم صواب | چون همین است مناط جواب
گر تو بدین کار نگشتی خجل | بر سفه خویش نوشتی سجل
دیده ام آن نسخه سراپا تمام | جمله چه آغاز چه ختم کلام
چون دلش گوش بر آوا نهی | نیک نگر جمله ز دانش تهی

آوا مخفف آواز ۱۲

آتش پی بین تا چه غم دیوان بود — هوش ربا غلغلِ دیوان بود

بوی بدِ انگزه غماز اوست — فکرت هر مرد باندازِ اوست

برہنه پا داری وهم پای ریش — دررہ پرخار منه پاے خویش

دررهِ ابرام مکن ترکتاز — طرّه دستار چه داری دراز

هرچه بگوئی سخنِ نغز گو — پوچ مگو محکم و پُر مغز گو

هوش کن و گام چو مستان مزن — بے سروپا حرف بمستان مزن

بارِ حر بسکه تو داری به پیچ — دور بود منزل و ره پیچ پیچ

پای کشد صاحبِ طبعِ سلیم — در خورِ اندازهٔ طولِ گلیم

چشم نه واکرده چو ره بسپری — دررهِ دشوار سکندر خوری

پای نگهدار و خبردار باش — دم مزن از لابه و هشیار باش

دعوی حق گفتن حق سهل نیست — بر زدن تو گوی سبق سهل نیست

بگذر ازین دعوی لاف و گزاف — حق بود آرے سخنِ صاف صاف

دعوی بیهوده نه زیبا بود — جامهٔ هنگفت نه دیبا بود

دم زنی از فقه و خبر شاد شاد — هم ز تواریخ و هم از اجتهاد

در روشِ علم چه خود دم زنی — چون تو درین جمله نه صاحب فنی

علم و هنر پیشهٔ مردان بود — شیوهٔ این راه نوردان بود

از نکت فن چو نیابی سراغ — زشت بود بیهده پختن دماغ

طنطنهٔ کلم از دم شمشیر نیست ‌‌ طعمهٔ هر مرغکی انجیر نیست

در هنرت دعوی زور آوری ‌‌ چیف برین دعوی این داوری

شعبده بازی که بران دل نهی ‌‌ پاک بود کیسه و دستت تهی

نیک نگهدار تو اندازه را ‌‌ پرده مدر پردگی راز را

برزده شد لاف دروغت بدف ‌‌ گوهر تو نیست به سنگ خزف

کار تو اندازهٔ هر خام نیست ‌‌ خاصه چو در خامی خود نام نیست

خون دل خود بقدح ریختی ‌‌ شعبدهٔ تازه برانگیختی

خاک که در میکده ها بیختی ‌‌ در مے صافی کدرے ریختی

بردن فرمان خداوند را ‌‌ بشکنم اینک صنم چند را

میکنم از بانگ خلیل اللّٰهی ‌‌ خانه ز اصنام و ز شیشان تهی

قطره ربودن گهرے ساختن ‌‌ چیست به تغییر بپرداختن

فاش نمائیم درین گفتگو ‌‌ جمله خطاهاے ترا مو بمو

رخش سخن را چو بدین زین کنم ‌‌ ذکر اسانید بآئین کنم

قصه بجائیکه بسازم بیاں ‌‌ می دہم از سفر و زنامش نشاں

واقعه گوئیم بطرز رزین ‌‌ بر روش خوبتر و جانگزیں

واقعه را طرح متیں افگنم ‌‌ دیو غلط را بزمیں افگنم

طرز بیانم که بود خوشتریں ‌‌ غلغله افگند بچرخ بریں

با چو منت زہرۂ ناورد نیست — شبل بضرغام ہم آورد نیست
موسی عمران و کجا سامری — معجزہ کے ترسد از افسونگری
سحر ز اعجاز شود سرنگوں — خواندہ نہ تلقف ما یافکون
وسوسۂ گر بدل آید ترا — معجزہ از غیر نبی کے روا
نسبت معجزہ بمن کن قبول — بلکہ بہ تنزیل و حدیث رسول
حرف باردو کہ زدہ در کتاب — عذر بران داشتہ بس ناصواب
یار نہ مینا و نہ جام شراب — گشتہ خرابات سراپا خراب
قطرۂ زاں بادۂ نوشیں نماند — نامی ازاں صحبت دوشیں نماند
ریخت خزاں برگ نہال چمن — گشت چمن مسکن زاغ و زغن
بزم طرب مجلس ماتم شدن — چوں ورق گنجفہ برہم شدن
زیر بنالید و خروشید بم — چنگ شد از پیری غم پشت خم
دامن بربط ز الم تار تار — جملہ برفتند خروشان و زار
شمع کہ پرتو فگن بزم بود — مُرد و بصد یاس برآورد دود
دفتر علمش چو ہمہ گاو خورد — گاؤ پے ذبح چو قصاب برد
فرس و عرب جملہ فراموش شد — حرف باردو زد و خاموش شد
من زدہ ام حرف باردو زباں — از پی تفہیم ہمہ عامیاں
ہست پسندیدۂ طبع ظریف — حرف زدن فوق کلام حریف

ہر دو زباں راز تو دانا ترم	ورنہ کلام عرب و ہم عجم
بادۂ مقصود بہ بزم بجام	مثنوی آں بہ کہ نمایم تمام

کتاب سیرۃ النعمان مؤلفہ مولوی شبلی نعمانی متعلق کالج علیگڈھ بالفعل خوب شائع ہوئی ہے۔ کتاب کا شیوع اور اُسکی مقبولیت چند جہت سے ہوا کرتی ہے نمبر ۱ مصنف کا فضل نمبر ۲ نفس کتاب کی خوبی نمبر ۳ علماے معتبرین کی مدح وثنا۔ ان تینوں امروں میں سے کوئی یہاں حاصل نہیں مگر ساتھ اسکے یہ کتاب شہرت پکڑگئی اور فی الجملہ عوام میں اسکی مقبولیت ہوچلی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ طرز نگارش اسکا نئی روشنی والوں کے مذاق کے موافق ہے بعض مضامین انگریزی کتابوں سے بھی ماخوذ ہیں اور اشاعت بھی اسکی ایسی جگہہ اور ایسے ذریعہ (علیگڈھ کالج سید احمد خاں سی ایس آئی) سے ہوئی ہے جو لیسے لوگوں کا مایۂ نازش ہے۔

اس کتاب میں اولاً امام ابوحنیفہ رح کے احوال اور اُنکے فضائل وسوانح عمری مذکور ہیں گو اس بیان میں تحقیق سے بالکل کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ یہ مضامین ایسی کتابوں سے ماخوذ ہیں جو خود مولف (مولوی شبلی نعمانی) کے نزدیک نامعتبر اور جھوٹی باتوں سے مملو ہیں چنانچہ خود مولف صفحہ ۶۸ میں لکھتے ہیں (ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق وعادات کی جو تصویر کھینچی ہے اُسمیں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت بھی اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی) پھر صفحہ ۶۹ میں لکھا ہے (یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح

تسلیم کرتے ہیں وہ بھی انہیں کتابوں سے ماخوذ ہیں جنمیں یہ فضول قصّے مذکور ہیں)
مگر مجکو اس سے کچھ بحث نہیں کیونکہ اولا اسکو دین میں کچھ دخل نہیں دوسرے لعیان
اسلام کی جسقدر خوبیاں کہی جائیں اس سے اسلام کی توقیع ہے مگر صاحب کتاب نے
جو حدیث اور اصول حدیث کی طرف قلم بڑھایا ہے اور اکابر محدثین وعلماے اہل اصول
پر زباں درازیاں کی ہیں اسکی نسبت میں لکھتا ہوں تاکہ عوام غلطی میں نہ پڑیں اور خلاف
حق کے معتقد نہو جائیں اور اکابر محدثین سے انکو سوءظنی نہ پیدا ہو جائے مولف
نے خود صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ مسائل وطریقہ اجتہاد پر راے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے
اور اپنی کتاب کے نسبت لکھا ہے کہ طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ کہیں مجتہدانہ
روش ہوگی اس سے صاف نکلتا ہے کہ مؤلف نے اپنے مورخ محدث مجتہد ہونے
کا دعوے کیا ہے اہل وقوف وانصاف خود اسکو سوچ سکتے ہیں کہ اس دعوے کی
کہاں تک تصدیق کیجا سکتی ہے اور اس دعوے کی بنا پر مولف کی راے اور
بیان کا کسقدر وزن ہو سکتا ہے۔

قول مؤلف۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب فرائض واعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے
میں کہتا ہوں اصل حقیقت یہ ہے کہ محدثین اللہ ورسول کی پیروی میں مزید اہتمام
رکھتے ہیں جن امور کی نسبت اللہ ورسول سے جو کچھ وارد ہے اور جس امر پر شارع
علیہ الصلوۃ والسلام نے جو حکم لگایا ہے اسکے قبول وبیان میں سر مو فرق نہیں
کرتے اور اپنی عقل سے اطلاقات شرعیہ میں خرابی نہیں نکالتے اور اس خرابی کی بنا پر

ظاہر قرآن و حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ بالراس والعین اسکو قبول کرتے اور اسکے خلاف کرنے والے کو نہایت برا سمجھتے اور یہی شان تھی صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جبکا خود مؤلف نے صفحہ ۱۲۱ میں اقرار کیا ہے اور لکھا ہے (صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا الخ) محدثین (جو صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روش اختیار کرنے والے اور اس سے عدول کرنے والے کو نہایت برا سمجھنے والے تھے) نے اس مسئلہ میں بھی وہی روش صحابہ کی اختیار کی اور اللہ و رسول نے جن اعمال پر ایمان کا اطلاق کیا ہے اسکو وہ بھی ایمان ہی کہتے رہے۔ نصوص کا محدثین کے موافق ہونا ظاہر ہے چنانچہ اسکا خود مؤلف نے صفحہ ۱۲۲ میں اقرار کیا ہے اور لکھا ہے (چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اسکی مؤید تھیں انکی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہوگئی) لہذا ہم یہاں نصوص کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے ہاں شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ (جس سے مؤلف کو نہایت حسن اعتقاد ہے اور متعدد مقام میں اپنی کتاب میں اُس سے سند پکڑی ہے صفحہ ۱۷۷ میں لکھا ہے شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ الخ) سے بعض مضامین یہاں نقل کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں ایمان کی بحث میں لکھا ہے اعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الایمان علی ضربین احدھما الایمان الذی ید ور علیہ احکام الدنیا من عصمۃ الدماء والاموال وضبطہ باموظاہرۃ فی الانقیاد وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان

محمد رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماؤھم واموالھم الا بحق
الاسلام وحسابھم علی اللہ وثانیھما الایمان الذی یدور علیہ احکام الآخرۃ من النجاۃ والفوز
بالدرجات وھو متناول لکل اعتقاد حق وعمل مرضی وملکۃ فاضلۃ وھو یزید وینقص وسنۃ الشارع
ان یسمی کل شئ منھا الایمان لیکون تنبیھا بلیغا علی جزئیتہ ولہ شعب کثیرۃ ومثلہ کمثل الشجرۃ یقال
للدوحۃ والاغصان والاوراق والثمار والازھار جمیعا انھا شجرۃ فاذا قطع اغصانھا وخبط اوراقھا وخرف
ثمارھا قیل شجرۃ ناقصۃ فاذا قلعت الدوحۃ بطل الاصل انتھی ملخصا **ترجمہ** رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دو قسمیں فرمائی ہیں ایک وہ جس پر احکام دنیا کی بنا ہے یعنی
جان و مال کا بچنا اور وہ انقیاد ظاہری ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مجکو
حکم ہے جہاد کا تا آنکہ لوگ توحید و رسالت کی شہادت دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
دیں۔ اگر لوگوں نے ایسا کیا تو مجھسے اپنی جان و مال کو سوائے حقوق اسلامی (قصاص وغیرہ)
کے بچا لیا اور حساب انکا اللہ کے ذمہ ہے۔ دوسری قسم ایمان کی وہ ہے جس پر احکام آخرت
یعنے نجات و درجات پانے کی بنا ہے اور وہ شامل ہے ہر اعتقاد حق اور عمل پسندیدہ
کو اور ملکہ فاضلہ کو اور وہ کم و بیش ہوتا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب
امور کا نام ایمان رکھا تا کہ تنبیہ ہو اسپر کہ یہ سب باتیں جزو ایمان ہیں اور ایمان کی بہت
شاخیں ہیں اور ایمان کی مثال درخت کی ہے کہ تنہ شاخ پتے پھول پھل کے مجموعہ کو
درخت کہا جاتا ہے اگر شاخیں کاٹ لی جائیں اور پتیاں جھاڑ دی جائیں و پھل توڑ لیئے
جائیں تو ناقص درخت کہلائیگا اور اگر تنہ اکھیڑ دیا جائے تو اصل ہی نہ رہیگا ❊

حجۃ اللہ البالغہ میں اس مقام میں بڑی تفصیل سے بحث ہی احادیث وآیات منقول ہیں اور نہایت عمدہ ولطیف بحث کی ہے ہمنے بخوف تطویل نہایت مختصر وملخص طور پر نقل کرکے ترجمہ کیا ہے جسکا جی چاہے کہ اسکی پوری تفصیل وبحث ودلائل پر مطلع ہو وہ کتاب ممدوح کے اس مقام کو بامعانِ نظر مطالعہ کرے انصاف یہی ہو کہ حجۃ اللہ البالغہ فی الحقیقت اللہ کی حجۃ بالغہ ہے اور جیسا کہ مولف نے صفحہ ۱۷۷ میں اقرار کیا ہے واقعی عدیم النظیر کتاب ہے ❊

اس عبارت منقولہ سے صاف ظاہر ہے کہ اعمال کو ایمان کہنا سنت ہی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کی بنابر اسکے جن اعمال کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان قرار دیا اُن ہی اعمال کو محدثین نے بھی (جو سنت رسول مقبول کی پوری پوری پیروی کرنے والے ہیں اور امور دینیہ میں قدم بقدم رسول صلعم کے چلنے والے ہیں اور جملہ امور میں ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تمسک کرنیوالے ہیں) ایمان کہا انکے مخالف وہ لوگ ہیں جو اسلام میں منطقی فلسفی خیال کے پیدا ہوئے اور بیشتر امور دینیہ میں اُنکا دارمدار عقلی باتوں پر رہا اور اس وجہ سے سلف صالحین نے اُنکو اھل الرائے کا لقب دیا ایسے جو لوگ تھے اُنھوں نے ایمان کے معنے صرف تصدیق بالجنان خیال کرکے اون اعمال کو خارج از ایمان قرار دیا اور احادیث کا خود اولاً تتبع ہی نکیا اور اگر کسی نے خلاف میں حدیث پیش کی تو بخیال اُنھیں اعتراضات عقلیہ کے جنکو صاحب سیرۃ النعمان نے نقل کیا ہے اُن احادیث کی تاویل کردی یا اور طور پر ٹالدیا جیسا کہ اسی کتاب سیرۃ النعمان

کے صفحہ ۱۲۷ میں بعض استدلال محدثین کے نسبت لکھا ہو ڈبرا استدلال اس حدیث
پر ہے کہ مومن مومن ہو کر زنا و چوری نہیں کرتا حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ
ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا جسکا صرف یہ مطلب
ہوتا ہے کہ یہ کام شان شرافت کے خلاف ہے ۔)
پس یہ صریح حدیث کا مطلب بگاڑنا ہے حدیث کا ہرگز یہ مضمون نہیں ہیں لفظ
حدیث نقل کر کے ترجمہ کرتا ہوں جس سے لوگ صاحب سیرۃ النعمان کے کلام کی خوبی
اور اعتبار کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔ حدیث کی عبارت یہ ہے اذا زنی العبد خرج منہ الایمان
فکان فوق راسہ کالظلۃ فاذا خرج من ذلک العمل رجع الیہ الایمان ترجمہ جب بندہ زنا
کرتا ہے تو ایمان اُس سے نکل جاتا ہے اور اُسکے سر پر سایہ کی طرح رہتا ہو پھر جب اس فعل
سے نکلا تو ایمان اُسکے طرف پلٹ آیا ۔ بھلا اس مضمون حدیث کو کوئی کہہ سکتا ہے
کہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ ہے اگر نعمانی صاحب کہیں کہ وہ میں نے دوسری
روایت کا مطلب لکھا ہے تو بھی غلط کیونکہ جب حدیث ہی اُس معنی کی توضیح کرتی ہے
تو خلاف اُسکے بات بنانے کا کیا موقع ہے ۔
امام ابو حنیفہ بھی زمانہ تبع تابعین کے اہل الرائے تھے اور اسی لقب سے مشہور تھے
جیسا کہ خود صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۱۳ میں امام ابو حنیفہ کی نسبت لکھا ہے
(اُنکی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہی) وہ بھی ایمان کے مسئلہ میں محدثین کے مخالف
ہوئے باقی رہا اہل الرائے کے معنی ہیں جو کچھ صاحب سیرۃ النعمان نے ہوا بندی کی ہے

میں یہاں پر انکی ممدوح و مقبول کتاب کی عبارت نقل کرتا ہوں حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۱۶۶ میں ہے المراد من اھل الرای قوم توجھوا بعد المسائل المجمع علیھا بین المسلمین او بین جمھورھم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین فکان اکثر امرھم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار ترجمہ اہل الرائے سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے مسائل متفق علیہا کے بعد کسی شخص متقدم کے قاعدہ پر تخریج مسائل کے طرف توجہ کی انکا اکثر دستور یہی تھا کہ مسئلہ میں اُسکے مشابہ مسئلہ کا جو حکم ہوتا وہی حکم اُس مسئلہ پر بھی لگا دیتے اور مسئلہ کو اُنھیں قواعد کی طرف پھیر پھار کر لیجاتے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اعمال و اقوال صحابہ رضہ کے کھوج تلاش نکرتے۔

یہ عبارت صاف کہہ رہی ہے کہ اہل الرائے وہ لوگ کہلاتے تھے کہ مسائل میں قاعدہ لگا کر اور قیاس سے فتوے دیتے تھے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ رضہ سے انکو سروکار نہ تھا جسکا اور مزید بیان اس کتاب میں انشاء اللہ حسب موقع آئیگا۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اس موقعہ میں امام ابو حنیفہ کا ایک خط نقل کیا ہے اور بعد نقل مضمون خط کے لکھا ہے کہ امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوے کو ثابت کیا ہے انصاف یہ ہے کہ اُس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ دعوی تو یہ ہے کہ ایمان نفس تصدیق کا نام ہے اور اعمال ایمان سے خارج ہیں اس دعوے کی پہلی دلیل امام صاحب کے خط کا مضمون آپ نقل کرتے ہیں

(جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اُسکے جان و مال حرام ہوجاتا تھا پھر خاص اُن لوگوں کے لیئے جو ایمان لاچکے تھے فرائض کے احکام آئے)

میں اولاً یہ کہتا ہوں کہ گفتگو تو ایمان میں ہے اور امام صاحب اسلام کی نسبت فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا کیا ایمان و اسلام ایک چیز ہے آپ تو اسکے قائل ہیں کہ ایمان و اسلام دو چیز ہے اسلام انقیاد کا نام ہے اور ایمان تصدیق کا نام ہے باقی رہا شرعاً معتبر ہونے کی حیثیت سے دونوں میں تلازم ہونا اگر آپ کہیں تو یہ امر آخر ہے ورنہ فقہ اکبر (جو امام ابو حنیفہؒ کی کتاب کہی جاتی ہے) میں اسلام کی تعریف لکھی ہے الاسلام هو التسليم والانقياد لاوامر الله تعالى پھر اس مضمون کو ایمان سے کیا تعلق ہے جو امام صاحبؒ نے ایمان کی بحث میں اسکو پیش کیا اگر آپ کہیں کہ اسلام سے یہاں مراد ایمان ہے تو کیا صرف تصدیق بالقلب سے بغیر اقرار کے اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔ دوسرے امام صاحب کے اس قول (جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا) سے کیا غرض ہے اگر یہ مراد ہے کہ ارکان اسلام بجالاتا تھا تو وہی مذہب محدثین کا ہے کہ بغیر ارکان اسلام بجالائے کفر سے بالکل نہیں نکلتا اور سارے احکام اسلام دنیوی واخروی اُس شخص پر جاری نہیں ہوتے اور اگر یہ مراد ہے کہ جو شخص ان ارکان اسلام کو صرف مانتا تھا اور بجا نہیں لاتا تھا اوسکی جان و مال حرام ہوجاتا تھا تو قرآن و حدیث و عمل درآمد خلفاے راشدین کے بالکل خلاف ہے۔ ایک حدیث اس معنے کی بعض عبارت حجۃ اللہ البالغہ اوپر نقل ہوچکی ہے امرت ان اقاتل الناس الحدیث

قرآن سورۂ توبہ کی آیت ہے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ترجمہ قتل کرو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ اُنکی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو اُنکی راہ۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اس آیۃ کے فوائد میں لکھتے ہیں حضرت نے فرمایا دل کی خبر اللہ کو ہے اور ظاہر میں جو مسلمان ہو وہ سب کے برابر ہے اور ظاہر اسلام کی حد ٹھہرائی ایمان لانا اور کفر سے توبہ کرنا اور نماز اور زکوٰۃ اسی واسطے جب کوئی شخص نماز چھوڑ دے یا زکوٰۃ موقوف کرے تو اُس سے امان اُٹھ گئی حضرت صدیق رضؓ نے زکوٰۃ کے منکروں کو برابر کافروں کے قتل فرمایا۔ مجدد آمد صحابہ کا بھی اسی سے ظاہر ہے اور یہ بات تو احادیث صحیحہ سے ثابت اور مسلم الطرفین ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ نے اُن لوگوں پر جہاد کیا جنھوں نے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زکوٰۃ دینی موقوف کردی تھی اور ابوبکر صدیق رضؓ نے علیٰ رؤس الاشہاد فرمایا تھا واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا ترجمہ قسم ہے خدا کی اگر لوگ ایک بکری کا بچہ بھی روکینگے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں دیتے تھے تو میں اُسکے روکنے پر ضرور قتال کرونگا

آیۃ قرآنی اور حدیث سے وہ بھی غلط ٹھہرا جو امام صاحب کے خط کا یہ مضمون آپنے نقل کیا ہے (پھر خاص اُن لوگوں کے لیئے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے) کیونکہ آیۃ و

وحدیث میں صاف مذکور ہے کہ کفر سے توبہ اور نماز اور زکوٰۃ تینوں کا ساتھ ہی حکم ہوا اور بغیر تینوں کے بجا لائے احکام اسلام کے کسی پجاری نہوئے علاوہ اول ہی سیپارہ میں اللہ پاک نے بنی اسرائیل کو ایمان بما انزل اللہ واقامت نماز وایتاء زکوٰۃ تینوں کے ساتھ مخاطب فرمایا دیکھو پانچواں رکوع سورہ بقرہ کا یابنی اسرائیل اذکروا الآیۃ پس کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ فرائض کا خطاب اُنہیں لوگوں کو ہوا جو لوگ ایمان لا چکے تھے اُنکو ایمان کا بھی حکم ہوا قرآن میں اس معنی کی بکثرت آیتیں موجود ہیں یاایھا الذین امنوا امنوا الآیۃ یاایھا الذین امنوا اھل ادلکم الآیۃ اگر ایمان کے معنے مجرد تصدیق کے ہیں تو تصدیق والوں کو پھر ایمان کا کیوں حکم ہوا کیا تحصیل حاصل آپ جائز سمجھتے ہیں۔

دوسرا مضمون امام صاحب کے خط کا صاحب سیرۃ النعمان نے نقل کیا ہے (تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہوتے ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ دین ومذہب سب کا ایک ہی ہوتا ہے خدا نے خود کہا ہی شرع لکم من الدین ماوصّی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وماوصّینا[1] بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنے تمھارے لیئے اُسی دین کو مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی اور جو تجکو وحی بھیجی اور جسکی وصیت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو کی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اُسمیں متفرق نہو۔

میں کہتا ہوں کہ مضمون آیۃ کا تو حاصل اسیقدر ہے کہ دین قائم رکھنے کا اور متفرق نہونیکا

---

[1] سیرۃ النعمان میں اسیطرح ہے صحیح وصینا ہے ۱۲

سب نبیوں کو حکم ہوا اسکو اس دعوے سے کیا تعلق ہے کہ اعمال داخل ایمان نہیں ہیں
اور اُن پر اطلاق ایمان کا نہیں ہوسکتا یا یہ کہ دین و مذہب میں سب برابر ہیں ایمان کا تو آیت میں
ذکر بھی نہیں ہے البتہ دین کا لفظ ہے کیا آپنے دین کے معنی ایمان سمجھا ہے تو پھر اسکے کیا معنی
ہونگے کہ قائم رکھو دین کو دوسرے اللہ پاک قرآن مجید میں صریح فرماتا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ
الْاِسْلَامُ یعنے اللہ کے نزدیک دین اسلام یعنے حکم برداری کا نام ہے اور فقہ اکبر کی عبارت
ہم اوپر نقل کر چکے کہ اسلام انقیاد او امر الٰہی کو کہتے ہیں اور اُسی کو اللہ پاک نے دین فرمایا
اس آیت سے امام صاحب کے دعوے کو کیا تعلق ہے۔

اس موقعہ میں اگر صاحب سیرۃ النعمان کہیں کہ ایمان و اسلام میں بایں طور اتحاد ہے
کہ ایک دوسرے سے منفک نہیں ہوسکتا تو میں کہونگا کہ اس سے کیا غرض ہے اگر یہ مراد ہی
کہ ایک دوسرے کے قوام حقیقت میں داخل ہی تو اُسکے خلاف ہے جو آپنے لکھا ہی کہ دونوں سے
کوئی حقیقت مرکب نہیں ہوسکتی اور اگر یہ مراد ہے کہ احدہما شرط للآخر یعنے موقوف علیہ ہی
تو گویا صورت یہ ہوئی کہ شئے بعد وجود ذاتیات کے اپنے تقوم میں شئے خارج کی محتاج ہے
وذا یستلزم المجعولیۃ الذاتیۃ وللکلام فیہ سعۃ لیکن اگر ہم اس وضع نگارش کو اختیار
کرتے ہیں تو اپنے انداز محدثانہ سے دور پڑتے ہیں۔

تیسرا مضمون امام صاحب کے خط کا صاحب سیرۃ النعمان یہ نقل کرتے ہیں کہ خدا نے جہاں
فرائض بتائے ہیں اُس موقع پر ارشاد فرماتا ہے یبین اللہ لکم ان تضلوا یعنے اسلیئے خدا
نے بیان کیا کہ تم گمراہ نہو۔ دوسری آیت میں ہی ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخریٰ

یعنے ایک گمراہ ہو تو دوسرا یاد دلادے)

میں کہتا ہوں کہ اولاً یہ بات محض غلط ہے کہ خدا نے جہاں فرائض یعنے اعمال بتائے ہیں
اُس موقع پر یہ آیتیں فرمائی ہیں پہلی آیۃ تو سورۃ النساء کا آخر ہے وہاں یہ مضمون ہے کہ
اللہ پاک نے وارثوں کے حصے مقرر کردیئے تاکہ تمام حصہ بانٹنے میں گڑبڑ ہو اور کسی کو حق
سے کم زیادہ نہ دیدو۔ اس آیت کو اُس مسئلہ سے کیا تعلق ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔
دوسری آیۃ تو گواہوں کے بارہ میں ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کو گواہ بنانا چاہیئے
تاکہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری عورت اُسکو یاد دلا دے دیکھو سورۂ بقرہ رکوع ۳۹
مستدل نے اولاً احدیٰہما کو احدہما بنا یا اور اخریٰ کا ترجمہ دوسرا کیا مگر یہ خیال نہیں رہا کہ تضل
بنائیے فوقانی کو یضل بیاے تحتانی بنا دیتے فرمائیے یہ تحریف نہیں تو کیا ہے۔ ان آیات
سے دعوی مذکور پر استدلال کرنا قرآن سے ناواقفی اور نافہمی کی دلیل ہے وہ حسن ظن جو
لوگوں کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہے اُسکا مقتضیٰ یہ نہیں ہے کہ ایسے مضامین کی نسبت امام
ابوحنیفہ رح کی طرف کیجائے۔

آخر مضمون خط کا امام ابوحنیفہ رح کے صاحب سیرۃ النعمان نے نقل کیا ہے (میرا یہ قول ہے
کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہوسکتے جو شخص ایمان کے
ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے
وہ کافر اور دوزخی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اُس سے ترک ہوجاتے ہیں
وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے خدا کو اختیار ہے کہ اسپر عذاب کرے یا معاف کردے

میں کہتا ہوں کہ اس آخر قول امام ابوحنیفہؒ میں جملہ (اہل قبلہ سب مومن ہیں) کے کیا معنے اہل قبلہ کے تو یہ معنے ہیں کہ جو بیت اللہ کی طرف نماز پڑھتا ہے یہی ظاہر ہے اور اسی معنے کی شاہد ہے حدیث من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا الحدیث تو معنے یہ ہوئے کہ ہر نماز پڑھنے والا مومن ہے تو صاحب عمل یعنی نمازی پر حکم ایمان کا ہے نہ مجرد تصدیق بالجنان والے پر اگر اہل قبلہ کے معنے آپ کوئی اور بناتے ہیں تو اسکے لیئے دلیل اور قرینہ درکار ہے دوسرا جملہ بھی اس آخر مضمون کا اسی معنے کا شاہد ہے یعنی یہ قول کہ جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن جنتی ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہے کہ فرائض بجالانے والا مومن ہے تیسرا جملہ امام صاحب کے آخر مضمون کا یہ ہے (جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے الخ) اس جملہ کے معنے تو یہ ہیں کہ جو شخص فرائض بجالاتا ہے مگر احیاناً اس سے ترک ہو جاتے ہیں نہ یہ کہ مطلقاً فرائض بجا ہی نہیں لاتا پھر ترک ہو جانے اور تارک ہو جانے کے معنے میں جو امتیاز ہے وہ ظاہر ہے اسکی نسبت امام صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمان ضرور ہے حالانکہ بحث ایمان میں ہے نہ اسلام میں غرض امام ابوحنیفہ حاصل کلام میں اپنے خط کی ایک بات بھی خلاف محدثین کے نہ کہہ سکے اور صاف اقرار کیا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے اور یہ نہ کہہ سکے کہ تارک اعمال مجرد تصدیق رکھنے والا مومن ہے اور کیونکر کہتے اگر ایسا ہو تو بہت سے کافر نصی مومن ٹھیر ینگے علماء یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر برحق یقیناً جانتے تھے مگر ظاہری مصلحتوں سے انقیاد نہیں کرتے تھے

قرآن کی متعدد آیتیں اسپر شاہد ہیں یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ ۔

اگر اس موقع میں معرفت و تصدیق میں فرق نکالا جائے اور تصدیق کے معنے نسبت الصدق وغیرہ کے کیے جائیں تو اُس بناپر تصدیق مقولۂ فعل سے ٹھہریگی حالانکہ صاحب سیرۃ النعمان اسکو مقولہ کیف سے لکھتے ہیں اور صحیح بخاری میں ابوسفیان کی روایت ابتداہی میں ہے جسمیں صریح مذکور ہے کہ ہرقل بادشاہ نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر برحق ہونے کا دل میں یقین رکھتا تھا گویا دل سے منقاد تھا مگر دنیاوی جھگڑے اُسکو انقیاد ظاہری سے مانع تھے ایسی لوگوں کو امام ابوحنیفہ رہ بھی کافر ہی کہتے ہیں حالانکہ اگر ایمان مجرد تصدیق بالقلب کا نام ہے تو لازم یہ ہے کہ ایسے لوگ مومن ہوں صاحب سیرۃ النعمان کو اس موقع پر یہ کہنا پڑیگا کہ وہ لزوم سے واقف نہ تھے جیسا کہ اُنھوں نے محدثین کی نسبت بیدھڑک لکھدیا کہ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے محدثین کا اعمال کو جزو ایمان کہنا اس طور پر ہے کہ ایمان اُنکے نزدیک ایک شاخدار پیڑ ہے جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے الایمان بضع و سبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان متفق علیہ ترجمہ ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں سب سے بڑی شاخ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے چھوٹی شاخ راستے سے تکلیف کی چیز دور کرنا ہے اور حیا ایک شاخ ہے ایمان کی ۔ یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے ۔ اور اسکا مضمون حجۃ اللہ البالغہ سے بھی

ہم اوپر نقل کر چکے ہیں پس جیسے شاخوں کے کٹنے سے درخت میں نقصان آتا ہے مگر جڑ قائم رہتی ہے ویسا ہی اعمال کے نقصان سے ایمان میں نقصان آتا ہے مگر جڑ قائم رہتی ہے یعنے بالکل ایمان زائل نہیں ہوتا۔

باقی رہا امام ابو حنیفہ رح کے طرف سے منطقی اعتراض کہ انتفا سے جزء سے انتفا سے کل لازم آتا ہے جیسا کہ نعمانی صاحب لکھتے ہیں (حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے)

میں کہتا ہوں کہ لزوم سے آپ کی غرض اگر یہ ہے کہ جزئیت اعمال کو لازم ہے کہ انتفا سے اعمال سے ایمان کل من حیث الکل نیا یا جاوے تو مسلّم ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی جزء خاص کے پائے جانے پر ترتب ثواب نہو کیونکہ یہ تقدیرات ربانی سے ہے اللہ پاک پر یہ لازم نہیں کہ صرف کسی ایک جزء کے پائے جانے پر بغیر پائے جانے جمیع اجزا ایمان کے ترتب ثواب کو بقدر اُس جزء کے مقدر نفرمائے یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید ایسی ذرسی سے بات وہ مشکل علوم ہوئی کہ ظاہر نصوص سے اعراض کیا گیا اور تاویلوں کی کوئی حد نرکھی باوجود اعتراف نکتہ شناسی امام ابو حنیفہ رح کی ایسی باتیں اُنکی طرف منسوب کرنی محض خلاف عقل ہے تعجب ہے کہ صاحب سیرۃ النعمان امام ابو حنیفہ رح کی مزید مبالغہ مدح و ثنا کے ساتھ کیونکر نقل کرتے ہیں۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اعمال کے خارج از ایمان ہونے پر امام ابو حنیفہ رح کی بہت بڑی دلیل یہ نقل کی ہے کہ قرآن میں ایمان اور عمل بسبیل عطف آئے ہیں۔

میں کیا خوب کیوں جناب درود ماثورہ میں بروایت ابو داود جو ازواجہ و ذریتہ و اہل بیتہ بسبیل عطف وارد ہے تو کیا امام صاحب کے نزدیک اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذریت نبی صلعم

میں خود داخل نہیں بھلا یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اہل بیت ذریت نہ تھے یا ازواج اہلبیت نہ تھیں

اور سورۂ والعصر میں جو عملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر اللہ پاک نے بسبیل

عطف فرمایا ہے تو کیا امام صاحب کے نزدیک تواصی بالحق وتواصی بالصبر اعمال صالحہ میں معدود

نہیں ہے یا تواصی بالصبر پر تواصی بالحق کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

دوسری دلیل صاحب سیرۃ النعمان اپنے زعم میں نہایت پختہ وقوی یہ فرماتے ہیں

(من یؤمن باللہ فیجعل صالحاً) میں حرف فا تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے

میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت قرآن میں کہاں ہے مضمون تراشی کرتے کرتے صاحب

سیرۃ النعمان کا ذہن قرآن کی آیۃ بھی بنانے لگا اس جرأت کا کچھ ٹھکانا ہے قرآن جو ہر فرد بشر

کو میسر ہے لاکھوں حفاظ موجود ہیں اسکا حوالہ غلط دینے میں جب صاحب سیرۃ النعمان کو کچھ باک

نہوا تو ایسے بیباک شخص کی کسی سند و حوالہ کا کیونکر اعتبار ہوسکتا ہے یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے

کہ نعمانی لوگ نصرت مذہب کے لیئے قرآن کی آیت بھی اپنی طرف سے بنا لینی کوئی بڑی بات نہیں

سمجھتے علاوہ اگر یہ صحیح بھی ہوتا تو صاحب سیرۃ النعمان (جنکو اپنی عربیت کا دعویٰ ہے چنانچہ لکھتے

ہیں۔ با دیہ پیماے عرب بودہ ام) سے پوچھنا چاہیئے کہ فا کا تعقیب ہی میں انحصار کہاں ثابت

ہے فازلهما الشیطان عنها فاخرجهما مما کانا فیه اور توضأ فغسل وجهه وغیرہ میں آپ

تعقیب ثابت کریں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہوسکتا ہے

اس مسئلہ میں صاحب سیرۃ النعمان نے موافق مذہب محدثین اقرار کیا ہے کہ ایمان کم و بیش ہوتا ہے

متعدد آیتوں سے اسکا صراحۃً ثابت ہونا مان لیا ہے چنانچہ بعد نقل بعض آیتوں کے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں نص صریح ہے اور امام ابوحنیفہ رح کا قول (ایمان کم وبیش نہیں ہو سکتا) کے دوسرے معنے آپ بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے قول کا مطلب نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی نہیں سمجھا۔

میں کہتا ہوں کہ نہایت غنیمت بات ہے بارہ سو برس کے بعد آپ نے غلطی کا تدارک کیا اعلما محدثین وشافعیہ تو درکنار خود حنفی مذہب کے علما بھی امام صاحب کے قول کا مطلب غلط سمجھے ہوئے تھے آپ نے ٹھیک مطلب نکالا ہے مگر عجب ہے صاحب سیرۃ النعمان نے یہاں پر اولاً مذہب محدثین کا اس مسئلہ میں تفصیل کیا ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ وکم ہوتا ہے اور اسپر قسطلانی کی عبارت شہادت میں لکھی ہے محدثین کا مذہب اس بارہ میں تو مسئلہ اول کے بیان میں مذکور ہو چکا مگر اسقدر لکھنا اس جگہ بموقع نہیں معلوم ہوتا کہ عبارت قسطلانی کا مطلب صاحب سیرۃ النعمان نے غلط سمجھا اس عبارت کا ترجمہ جو آپ یہ کرتے ہیں (ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے) اس عبارت کا یہ مطلب کیونکر ہوا کہ اعمال چونکہ جزء ایمان ہیں اسواسطے انکی زیادتی سے اجزاء ایمان کی زیادتی ہوتی ہے اور انکے کم ہونے سے اجزاء ایمان کے کم ہو جاتے ہیں کیونکہ اس عبارت میں با سببیہ ہے اور سبب شئے کے لیئے ضرور نہیں کہ داخل شئے ہو۔

دوسرے اس عبارت میں یہ مضمون بھی ہے کہ گناہ کے سبب سے ایمان گھٹ جاتا ہے اور گناہ ترک اعمال میں منحصر نہیں ہے کیا ارتکاب منکرات گناہ نہیں ہے اسکے بعد آپنے امام

ابو حنیفہؒ کے قول کا مطلب خلاف سابقین کے یہ فرمایا ہے (امام صاحب کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت وضعف کے زیادہ وکم نہیں ہوسکتا بلکہ انکا یہ دعوے ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم وبیش نہیں ہوتا ہے یہ دعوٰی اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزء ایمان نہیں ہیں)

میں کہتا ہوں کہ بات تو آپ نے بہت عمدہ بنائی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ خود امام صاحب کے خط کا مضمون جو آپ ہی نے لکھا ہے آپ کے مطلب کے خلاف ہے صفحہ ۱۲ میں آپ امام صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں (تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں) عمل و تصدیق کو دو جداگانہ چیز فرماکر امام صاحب یہ لکھتے ہیں تصدیق میں سب مسلمان برابر ہیں پس امام صاحب کے نزدیک قطع نظر عمل کے نفس تصدیق میں مساوات ہے اور تصدیق اسی اذعان اور یقین کا نام ہے جسکو آپ مقولہ کیف سے مان چکے ہیں آپ ہی کی عبارت مثبتہ منقولہ سے آپ کا مطلب (جو آپنے امام ابوحنیفہ کے قول کا بنایا تھا) غلط ٹھہرا تعجب ہے کہ آپ خود اپنی کتاب کے مفاد پر مطلع نہوئے اور حافظ خطیب بغدادی جیسے شخص کی نسبت بیباکانہ ایسے کلمات لکھدیئے (خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کردیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعوے کیا ہے)

میں پوچھتا ہوں کہ آپنے امام صاحب کا مطلب کیونکر اور کہاں سے سمجھا ذرا اسکو تو بتایئے علاوہ کسی کلام کا مطلب تمام دنیا کے علماء کی سمجھ میں نہ آنا یہ کلام اور متکلم کا نقصان نہیں ہے تو کیا ہے پھر آپ کا یہ بھی اقرار ہے کہ (اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب

اپنی خاص رائیں رکھتے تھی صفحہ ۱۳۰) یہ صریح اقرار ہے اسکا کہ امام صاحب کے مسائل مذہب ماثور صحابہ وتابعین کے خلاف تھی ورنہ مسائل میں خاص رائے رکھنے کے کوئی معنے نہونگے۔

صاحب سبترۃ النعمان نے ان مسائل کے ذکر میں در پردہ امام بخاری کی تنقیص بھی کی ہے اور صفحہ ۱۲۱ میں یوں لکھا ہے (امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ انکو حلقۂ درس سے نکلوا دیا)

اس مضمون میں حوالہ آپنے فتح الباری کا دیا ہے حالانکہ یہ محض غلط وخلاف واقع ہے فتح الباری میں ہرگز ہرگز یہ مضمون نہیں ہے فتح الباری مطبوعۂ مصر کے مقدمہ (صفحہ ۴۹۱) میں یہ قصہ مذکور ہو شروع بیان اس قصہ کا بدیں عنوان ہے قال الحاکم ابو عبد اللہ فی تاریخہ قدم البخاری نیسابور سنۃ خمسین ومائتین فاقام بھا مدۃ یحدث علی الدوام قال فسمعت محمد بن حامد البزار یقول سمعت الحسن بن محمد بن جابر یقول سمعت محمد بن یحیی الذہلی یقول اذہبوا الی ہذا الرجل الصالح العالم فاسمعوا منہ قال فذہب الناس الیہ فاقبلوا علی السماع منہ حتی ظہر الخلل فی مجلس محمد بن یحیی قال فتکلم فیہ بعد ذلک **ترجمہ** حاکم نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام بخاری ۲۵۰ھ میں نیشاپور آئے اور ایک زمانہ تک وہاں رہے ہمیشہ حدیث پڑھایا کرتے حاکم نے کہا کہ مینے محمد ابن حامد بزار سے کہتے سُنا کہ مینے حسن بن محمد سے سُنا کہتے کہ مینے سُنا ذہلی کو کہتے ہوئے کہ جاؤ اس مرد صالح عالم کے پاس اور اُس سے پڑھو کہا تو لوگ گئے طرف امام بخاری کے اور اُنسے پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ ذہلی کے یہاں مجمع ٹوٹ گیا تب ذہلی امام بخاری کے بارہ میں نکتہ چینی کرنے لگے۔

پھر حافظ ابن حجر نے اس قصہ کو امام مسلم کی روایت سے بھی نقل کیا ہے اُسمیں ہے کہ جب امام

بخاری نیشاپور آئے تھے تو ذہلی استقبال کو گئے تھے اور ایک دن قبل اپنی مجلس میں کہدیا تھا کہ میں کل محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کے استقبال کو جاؤنگا جسکا جی چاہے میرے ساتھ استقبال کو چلے پھر ذہلی اور عامہ علماسے نیشاپور استقبال کو گئے۔ پھر لکھا ہے قال ابو احمد بن عدی ذکرلی جماعۃ من المشائخ ان محمد بن اسمٰعیل لما ورد نیشابور واجتمع الناس عندہ حسدہ بعض شیوخ الوقت فقال لاصحاب الحدیث ان محمد بن اسمٰعیل یقول لفظی بالقرآن مخلوق الخ ترجمہ ابو احمد بن عدی نے کہا کہ مجھسے ایک جماعت علمائنے ذکر کیا کہ جب امام بخاری نیشاپور آئے اور اُنکے یہاں لوگوں کا مجمع ہوا تو بعض علماے وقت کو حسد ہوا اُنھوں نے اہلحدیث سے کہدیا کہ بخاری کہتے ہیں کہ میرا قرآن پڑھنا مخلوق ہی پھر حافظ ابن حجر نے امام بخاری کا قول جو اُس موقع پر اُنھوں نے کہا تھا یہ نقل کیا ہے قد قصدنی ہذا الرجل حسدا لما اتانی اللہ لاغیر یعنی میرے پیچھے پڑا ہے یہ شخص صرف حسد سے بسبب اُسکے جو خدا نے مجکو عنایت کیا ہے اور کوئی وجہ نہیں۔

فتح الباری (جسکا آپ حوالہ دیتے ہیں) میں کہیں اسکا شمہ بھی نہیں ہے کہ ذہلی نے امام بخاری کو اپنے حلقۂ درس سے نکلوا دیا ذہلی تو امام بخاری کے استقبال کو گئے تھے بخاری کی مقبولیت دیکھکر آخر اُنکو رشک ہوا۔ بخاری کو اُنکے حلقۂ درس میں بیٹھنے سے کیا سروکار باقی رہا بخاری کا بعض حدیث اُن سے روایت کرنا وہ اِسطرح پر ہے کہ ذہلی بخاری کے ساتھیوں میں سے تھے کبھی ایسا ہوا کہ ذہلی مجلس اُستاد میں پہلے پہنچے اور کچھ باتیں سُن لیں تو بخاری پیچھے آکر وہ باتیں اُنسے پوچھ لیتے چنانچہ حافظ ابن حجر اسی مقدمہ فتح الباری کے صفحہ ۴۸۹

میں لکھتے ہیں الطبقۃ الرابعۃ رفقائہ فی الطلب ومن سمع قبلہ قلیلا کمحمد بن یحیی الذھلی
ترجمہ چوتھے درجہ کے وہ لوگ ہیں جو طالب العلمی میں بخاری کے ساتھی تھے اور جنہوں
نے اُن سے پہلے کچھ تھوڑی بات سُنی جیسے محمد بن یحیٰی ذہلی ۔
نعمانی صاحب نے انکی نسبت یوں لکھا کہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے اور محض خلاف
واقع یہ بات لکھدی کہ ذہلی نے امام بخاری کو اپنے حلقہ دُرس سے نکلوادیا اور فتح الباری کا
جھوٹ حوالہ دیدیا کیوں جناب یہ کون روش ہے مورخانہ ہے یا محدثانہ یا مجتہدانہ فتح الباری
موجود ہے اور تمام شائع ہورہی ہے اسکا غلط حوالہ دینے میں جب آپ کو کوئی باک نہوا
تو غیر شائع اور نامشہور کتابوں کے حوالہ کا کیا ٹھیک ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

حدیث اور اصول حدیث

صاحب سیرۃ النعمان نے یہ سرخی لکھکر اولاً یہ لکھا ہے کہ یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے
کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم پایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عام طور پر
وہ محدث کے لقب سے مشہور نہ تھے پھر لکھا ہے کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی اس لقب
کے ساتھ مشہور نہ ہوئے نہ اُنکی تصنیفوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا
پھر امام احمد بن حنبل کی نسبت لکھا ہے کہ اُنکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا ۔
میں کہتا ہوں کہ امام مالک کا امام المحدثین ہونا اور اُنکی کتاب کی مقبولیت اولا ہم بیان
کرتے ہیں حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر

ابن عمر و الاصبحی ابوعبد اللہ الفقیہ امام دار الہجرۃ راس المتقین کبیر المثبتین حتی قال البخاری اصح الاسانید کلہا مالک عن نافع عن ابن عمر یعنی امام مالک مدینہ طیبہ کے فقیہ اور امام تھے پرہیزگاروں کے سردار اور حدیث کی سند میں بہت بڑے پکے تھے یہانتک کہ بخاری جیسے شخص نے کہا کہ حدیث کی ساری سندوں سے عمدہ اور صحیح امام مالک کی روایت ہے نافع سے اور انکی ابن عمر سے۔

اور خلاصہ تذہیب التہذیب میں ہے۔ مالک ابن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث الاصبحی ابوعبد اللہ المدنی احد اعلام الاسلام وامام دار الہجرۃ عن نافع والمقبری ونعیم بن عبد اللہ وابن المنکدر و محمد بن یحیی بن حبان واسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحۃ وایوب و زید بن اسلم وخلق وعنہ من شیوخہ الزہری ویحیی الانصاری ومن مات قبلہ ابن جریج وشعبۃ والثوری وخلق وابن عیینۃ والقطان وابن وہب وخلائق اٰخرہم موتا ابو حذافۃ السہمی قال الشافعی مالک حجۃ اللہ تعالیٰ علی خلقہ قال ابن مہدی ما رأیت احدا اتم عقلا و لا اشد تقوی من مالک وقال ابن المدینی لہ الف حدیث وقال البخاری اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر یعنی امام مالک اسلام کے ایک سردار اور مدینہ طیبہ کے امام ہیں نافع اور مقبری اور نعیم وابن منکدر ومحمد بن یحیی واسحق وایوب وزید بن اسلم وغیرہم بہت لوگوں سے حدیث روایت کرتے ہیں اور انسے حدیث پڑھنے والے بہت کثرت سے ہیں جنمیں سے زہری یحیی انصاری ابن جریج شعبہ سفیان ثوری سفیان بن عیینہ قطان ابن وہب وغیرہم بہت لوگ ہیں امام شافعی نے کہا کہ مالک اللہ کی حجت ہیں اسکی مخلوق پر عبدالرحمن

ابن مہدی نے کہا کہ میں نے مالک سے بڑھکر عقل و پرہیزگاری میں کسی کو نہ دیکھا ابن مدینی نے کہا کہ امام مالک کی ہزار حدیث ہے امام بخاری نے کہا کہ حدیث کی سند اُس سے بڑھکر کوئی نہیں جو مالک کی سند ہے نافع سے اور اُنکی ابن عمر سے۔

یہ فن رجال کی کتابیں ہیں جنمیں لوگوں کے ٹھیک ٹھیک احوال مذکور ہوتے ہیں انہیں اکابر محدثین کا امام مالک کی شاگردی کرنا اور اُنسے روایت کرنی اور اُنکی سند کو اصح الاسانید قرار دینا مذکور ہے وہ کتابیں نہیں ہیں جو مداحین نے حسب اقرار صاحب سیرۃ النعمان مبالغہ کے ساتھ تصنیف کی ہیں۔ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے قال الشافعی قال لی محمد بن الحسن ایهما اعلم صاحبنا ام صاحبکم یعنی اباحنیفة ومالکا قال قلت علی الانصاف قال نعم قلت ناشدتک الله من اعلم بالقرآن صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتک الله من اعلم بالسنة صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتک الله من اعلم باقاویل اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم المتقدمین صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال الشافعی فلم یبق الا القیاس والقیاس لایکون الا علی هذه الاشیاء فعلی ای شئ نقیس ترجمہ امام شافعیؒ نے بیان کیا کہ مجھسے محمد بن حسن (جو امام ابو حنیفہؒ کے معزز شاگرد ہیں) کہنے لگے کہ بھلا بتاؤ تو ہمارے اُستاد (ابوحنیفہؒ) بڑے عالم تھے یا تمھارے اُستاد (امام مالکؒ) زیادہ علم رکھتے تھے میں نے کہا کہ انصافاً یہ بات اُنھوں نے کہا ہاں میں نے کہا کہ میں تمھیں کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا تھا ہمارے اُستاد (امام مالکؒ) یا تمھارے اُستاد (امام ابوحنیفہؒ) امام محمدؒ نے کہا کہ اللہ گواہ ہے بیشک تمھارے اُستاد

(امام مالک) قرآن کا زیادہ علم رکھتے تھے پھر مینے حدیث کی نسبت پوچھا اُسمیں بھی امام محمد نے یوں ہی اقرار کیا پھر مینے اقوال صحابہ کی نسبت پوچھا اُسمیں بھی امام محمد نے اسیطرح اقرار کیا کہ امام مالک زیادہ جاننے والے تھے مینے کہا اب رہگیا قیاس اور قیاس توانھیں چیزوں پر ہوتا ہے تو اب کس بات میں دونوں کا مقابلہ کروگے ۔

باقی رہا امام مالک کا رائے سے بھی کبھی فتوے دینا سو اسپر اُنکو انتقال کے وقت سخت پشیمانی تھی تاریخ ابن خلکان کے صفحہ ۱۱ جلد ۲ میں بسند منقول ہے حکی الحافظ ابو عبداللہ الحمیدی فی کتاب جذوۃ المقتبس قال حدث القعنبی قال دخلت علی مالک بن انس فی مرضہ الذی مات فیہ فسلمت علیہ ثم جلست فرأیتہ یبکی فقلت یا ابا عبد اللہ ما الذی یبکیک فقال لی یا ابن قعنب ومالی لا ابکی ومن احق بالبکاء منی واللہ لوددت انی ضربت بکل مسئلۃ افتیت فیہا برائی بسوط سطو وقد کانت لی السعۃ فیما قد سبقت الیہ ولیتنی لم افت بالرائ

ترجمہ حافظ حمیدی نے حکایت کی ہے کہ قعنبی نے بیان کیا کہ میں امام مالک کے مرض الموت میں اُنکے پاس گیا اور سلام کرکے بیٹھا تو دیکھا اُنکو روتے ہوئے مینے کہا کیوں روتے ہیں آپنے فرمایا اے قعنبی میں کیوں نہ روؤں مجھسے بڑھکر قابل رونے کے کون ہے مینے جس جس مسئلے میں رائے سے فتویٰ دیا ہے مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اُن ہر مسئلہ کے بدلے کوڑے سے میں مار کھاتا مجکو اُسمیں گنجائش تھی کاش میں رائے سے فتوے نہ دیتا ۔

امام مالک میں ہر چند محدثیت کے ساتھ فقاہت بھی تھی لیکن دونوں کے اشتغال میں اُنھوں نے بہت امتیاز رکھا تھا فقہی مسئلے معمولی طور سے کہدیا کرتے اور حدیث نہایت تعظیم کے

ساتھ بیان کرتے۔ علامہ زرقانی مقدمہ شرح موطا میں امام مالک کے احوال میں لکھتے
ہیں اخذ من تسعمائة شیخ فاکثر وما افتی حتی شہد له سبعون اماما انه اهل لذلك
وکتب بیده مائة الف حدیث وجلس للدرس وهو ابن سبعة عشر عاما وصارت
حلقته اکبر من حلقة مشائخه فی حیاتهم وکان الناس یزدحمون علی بابه لاخذ
الحدیث والفقه کازدحامهم علی باب السلطان وله حاجب یأذن اولا للخاصة فاذا
فرغوا اذن للعامة واذا جلس للفقه جلس کیف کان واذا اراد الجلوس للحدیث اغتسل و
تطیب ولبس ثیابا جددا وتعمم وقعد علی منصة بخشوع وخضوع ویبخر المجلس بالعود
من اوله الی فراغه تعظیما للحدیث حتی بلغ من تعظیمه له انه لدغته عقرب وهو یحدث
ستة عشر مرة فصار یصفر ویتلوی حتی تم المجلس ولم یقطع کلامه۔ ترجمہ امام مالک نے
نوسو اساتذہ سے پڑھا اور اُسوقت تک فتویٰ نہیں دیا جبتک ستر اماموں نے اُنکی قابلیت
کی شہادت ندی اور اپنے ہاتھ سے اُنھوں نے لاکھ حدیثیں لکھیں اور سترہ برس کی عمر میں
وہ درس دینے کو بیٹھے اور اُنکا حلقۂ درس اُنکے اساتذہ کے حلقۂ درس سے اُن اساتذہ
کی زندگی ہی میں بڑھگیا اور حدیث وفقہ سننے کے لیئے اُنکے دروازہ پر لوگوں کا ازدحام
ایسا ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے دروازہ پر اور اُنکا ایک دربان تھا جو پہلے خواص کو جانے
دیتا تھا پیچھے عوام کو اجازت دیتا تھا اور جب امام مالک فقہ پڑھانے بیٹھتے تو معمولی طور
سے بیٹھ جاتے اور جب حدیث پڑھانے کا ارادہ کرتے تو غسل کرتے خوشبو لگاتے نئے
کپڑے پہنتے اور نہایت خشوع خضوع کے ساتھ بیٹھتے اور شروع سے لیکر آخر تک مجلس

میں خوشبو چیزیں جلواتے یہ سب حدیث کی تعظیم تھی اور حدیث کی تعظیم کی یہ حالت تھی کہ ایک روز حدیث پڑھاتے میں بچھو نے سولہ بار انکو نیش مارا اور انکی حالت متغیر ہوتی جاتی تھی مگر تا اختتام مجلس حدیث پڑھاتے ہی رہے۔

امام مالکؒ کی تصنیف (موطا) کی مقبولیت اسی سے سمجھنا چاہیئے کہ اس کتاب کو بارہ سو علما نے مصنف سے پڑھا جیسا کہ علامہ زرقانی مقدمہ شرح موطا میں اور حافظ ابن عبد البر کتاب الانساب میں لکھتے ہیں اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور بھی امام ابو حنیفہؒ کے شاگردان حضرت خاص ابو یوسف و امام محمد نے اس کتاب کو حرفاً حرفاً مصنف سے پڑھا جیسا کہ مقدمہ زرقانی اور تاریخ ابن خلکان اور شروح موطا سے ظاہر ہے بہت بڑی دلیل اس کتاب کی مقبولیت کے لیئے ہے کہ ہر مذہب کے علماء نے بکثرت اسکی شرحیں لکھیں زرقانی قاضی عیاض حافظ سیوطی ملا علی قاری شیخ سلام اللہ محقق دہلوی کی شرحیں تو متداول ہیں علاوہ اور بہت شرحیں ہیں ولنعم ما قال صاحب حجۃ اللہ ان شئت الحق الصراح فقس کتاب الموطا بکتاب الآثار لمحمد والامالی لابی یوسف تجد بینہ وبینھما بعد المشرقین ھل سمعت احدا من المحدثین والفقہا تعرض لھما واعتنی بھما یعنے صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے کیا خوب فرمایا ہے اگر تو موطا کی مقبولیت ٹھیک سمجھنا چاہے تو موطا کو امام محمد کے کتاب الآثار اور امام ابو یوسف کے امالی سے مقابلہ کر کسی محدث یا فقیہ نے ان دونوں کے کتاب سے تعرض کیا اور نہ کسی نے انکے طرف توجہ کی۔

صاحب سیرۃ النعمان نے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی نسبت جو یہ لکھدیا کہ انکی تصنیف انکو

تصنیفوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو سوا یہ بڑی ناواقفیت کی دلیل ہے طبقات
کتب حدیث میں صحیحین اور موطا اکے طبقہ میں مذکور ہیں (دیکھو حجۃ اللہ البالغہ اور مقدمات
شروح موطا) اور امام شافعیؒ کی نسبت مصاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۱۳۸ میں خود یہ اقرار کیا ہے کہ بڑے
بڑے محدثین نے اُنکو حدیث اور روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے مگر صفحہ ۱۴۱ میں امام شافعی
کا قلیل الروایۃ ہونا لکھا ہے اور توالی التاسیس (رسالہ حافظ ابن حجر) کے صفحہ ۵۷ کی سند
پیش کی ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے توالی التاسیس کی اصل عبارت میں نقل کرکے ترجمہ
کرتا ہوں جس سے حقیقت ظاہر ہو جائیگی) اخرج الزکریا الساجی من طریق محمد بن اسحٰق الصنعانی
قال سالت یحیی بن اکثم عن الشافعی فقال کنا عند محمد بن الحسن فی المناظرۃ کثیرا فکان الشافعی
رجلا قرشی العقل والفہم والذہن صافی العقل والفہم والدماغ سریع الاصابۃ و لو کان امعن
فی الحدیث لاستغنت بہ امۃ محمد عن غیرہ من العلماء۔ ترجمہ زکریا ساجی نے محمد
ابن اسحٰق صنعانی کی سند سے روایت کی اُنھوں نے کہا کہ مینے پوچھا یحییٰ بن اکثم سے شافعی کا
حال تو اُنھوں نے کہا کہ ہم مناظرہ کے وقت محمد بن حسن کے پاس اکثر رہتے تھے شافعی قرشی
عقل اور فہم والے تھے ذہن و دماغ اُنکا نہایت صاف تھا مغز سخن کو بہت جلد پہنچتے تھے
اگر حدیث میں بالکل متوجہ ہوتے تو امت محمدی کو دوسرے کسی محدث کی ضرورت نہ پڑتی۔
اس عبارت کے معنے یہ ہیں کہ یحییٰ بن اکثم امام شافعیؒ کے ذکاوت کی تعریف کرتے
ہیں کہ اگر یہ شخص حفظ احادیث کی طرف متوجہ ہوتا تو ساری حدیثیں یاد کر لیتا اور کوئی
حدیث باقی نہ رہتی نہ یہ کہ یحییٰ بن اکثم حسرت سے یوں کہا کرتے تھے۔ اس عبارت مقبولہ

سے اُس مناظرہ کا ثبوت بھی نکلتا ہے جو امام محمد و امام شافعی سے ہوا تھا اور صاحب سیرۃ النعمان نے اُسکا انکار کیا ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے امام شافعی کے قلیل الروایت ہونے کے ثبوت میں اُسی توالی التاسیس کی ایک اور عبارت نقل کرکے یہ ترجمہ کیا ہے (یعنے وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہلحدیث کی عادت ہے کیونکہ اُنکو فقہ کا شغل رہتا تھا) میں کہتا ہوں کہ یہ بھی غلط فہمی ہے توالی التاسیس کی اُس مقام کی عبارت یہ ہے حافظ ابن حجر نے امام شافعی کے شیوخ میں سے ۸۰ شخص کے نام گنا کر لکھا ہے۔ هؤلاء شيوخه الذين نقل عنهم العلم والحديث والفقه والاخبار سمع منهم بمكة والمدينة واليمن والعراق ومصر وكان مكثرا من الحديث ولم يكثر من الشيوخ كعادة اهل الحديث لاقباله على الاشتغال بالفقه ترجمہ یہ لوگ امام شافعیؒ کے اساتذہ ہیں جنسے اُنھوں نے فقہ و حدیث و اخبار کا علم مکہ مدینہ عراق مصر میں حاصل کیا اور حدیث اُنھوں نے بہت روایت کی مگر اہل حدیث کی طرح شیوخ نہیں بڑھائے کیونکہ وہ فقہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے حدیثیں بہت روایت کیں مگر شیوخ نہیں بڑھائے یعنے تعدد سند کی طرف متوجہ نہیں ہوئے یعنے یہ نکیا کہ ایک حدیث کے متعدد طرق اور سند حاصل کرتے جیسا کہ اہلحدیث ایک ہی حدیث کو چند شیوخ سے روایت کرتے ہیں اور تعدد سند کا اُنکو خیال رہتا ہے بلکہ امام شافعی کو ایک حدیث ملجاتی تو اُسکے

معنے ہیں تامل اور اُس سے استنباط مسائل کے طرف متوجہ ہوجاتے اس عبارت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امام شافعی رحمہ نے حدیث ہی کم پڑھی میں حیران ہوں کہ صاحب سیرۃ النعمان نے بایں دعوی اجتہاد و محدثیت حافظ ابن حجر کے عبارت کا مطلب نہیں سمجھا اور تاریخ ابن خلکان میں امام شافعی رح کے احوال میں لکھا ہے اجتمعت فیه من العلوم بکتاب اللہ وسنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وکلام الصحابة وآثارهم واختلاف اقاویل العلماء وغیر ذلك من معرفة کلام العرب واللغة والعربیة والشعر مالم یجتمع فی غیره ترجمہ امام شافعی میں قرآن وحدیث واقوال وآثار صحابہ واختلاف اقوال علماء علاوہ کلام العرب ولغت دانی اور عربیت وشاعری یے سب علوم مجتمع تھے ایسی جامعیت علوم کی کسی شخص میں نہیں پائی گئی -

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے ۔ -

میں کہتا ہوں کہ یہ بات ایک معنی کر کے صحیح ہے لیکن فرق یہ ہے کہ امام شافعی نے اکثار احادیث کے بعد بسبب اشتغال فقہ کے اکثار سند کی طرف توجہ نہیں کی جیسا کہ حافظ ابن حجر کے عبارت کا منشا ہے اور امام ابوحنیفہ نے اول ہی سے اشتغال بالفقہ رکھا اور سرے سے حدیث کی طرف توجہ ہی نہوئے خود صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح ابتدا سے حماد فقیہ کی صحبت میں رہے یہانتک کہ رفتہ رفتہ آخر حماد ہی کے جانشین ہوئے امام شافعی رح نے طلب حدیث میں حجاز عراق یمن مصر کا سفر

کیا امام ابوحنیفہ کوفہ سے کہیں باہر نہیں نکلے حرمین کو جو گئے تو صرف حج کرنے کے لیئے
اسیواسطے امام شافعی میں باوجود اشتغال بالفقہ کے قلت روایت نہیں ہے اور امام
ابوحنیفہ میں قلت روایت کے تو آپ بھی قائل ہیں تعجب خیز تو یہ امر ہے کہ صاحب
سیرۃ النعمان نے صفحہ ۵۰ میں امام ابوحنیفہ کے شیوخ کی تعداد تین ۳۰۰ سو سے زیادہ
بتائی ہیں شیوخ کی کثرت اور باوجود اسکے روایت کی قلت کسقدر موزون ہے ۔

حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں منصور خلیفہ کے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ اسوقت کسنے
کون کام کیا شرع علماء الاسلام فی ھذا العصر فی تدوین الحدیث والفقہ والتفسیر فصنف ابن جریج
بمکۃ ومالک الموطا بالمدینۃ والاوزاعی بالشام وابن ابی عروبۃ وحماد بن سلمۃ وغیرھما
بالبصرۃ ومعمر بالیمن وسفیان الثوری بالکوفۃ وصنف ابن اسحق المغازی وصنف
ابوحنیفۃ الفقہ والرای **ترجمہ** اسی زمانہ میں علماء اسلام نے حدیث و فقہ و
تفسیر کا جمع کرنا شروع کیا مکہ میں ابن جریج نے تصنیف کی اور مدینہ میں امام مالک نے
موطا لکھی اور شام میں اوزاعی نے اور بصرہ میں ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہ نے اور
یمن میں معمر نے اور کوفہ میں سفیان ثوری نے اور ابن اسحق نے مغازی تصنیف کی اور
ابوحنیفہ نے فقہ و رائے تصنیف کیا ۔

حافظ سیوطی نے حدیث و تفسیر کے مصنفوں کے نام بتائے اور امام ابوحنیفہ کو فقہ و
رائے کی تصنیف کے ساتھ مخصوص کیا جو صریح دلیل ہے اسکی کہ امام ابوحنیفہ نے حدیث
کی طرف توجہ نہیں کی ایک ہی مقام (کوفہ) کا حال لکھا ہے کہ سفیان ثوری نے حدیث

کی کتاب لکھی اور امام ابوحنیفہ نے فقہ ورائے تصنیف کی ارباب فہم و درایت سوچ سکتے ہیں کہ اِس تقابل کا کیا مفاد ہے۔

خطیب بغدادی نے بسند متصل امام ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں نے تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو جتنے علوم پیش نظر تھے سب میں کچھ نہ کچھ نقصان نظر آیا اور حدیث کے لیئے ایک مدت درکار تھی اِسکے علاوہ کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنا دیں آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اُس سے وابستہ نظر آئیں عقود الجمان اور مختصر تاریخ بغداد میں بھی یہہ مضمون مذکور ہے فرق اسقدر ہے کہ خطیب کی روایت میں امام ابوحنیفہ کا یہ قول منقول ہے اور اِن دونوں کتاب کی روایت میں یوں ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ مینے لوگوں سے مشورہ پوچھا اُنھوں نے مجکو یہی مشورہ دیا کہ حدیث اور دوسرے علوم نہ پڑھو صرف فقہ پڑھو اسمیں دین و دنیا کا نفع ہے اور مینے اِسکو قبول کیا غرض حاصل ہر سہ کتاب کے مضمون کا یہی ہے کہ امام صاحب نے حدیث کی طرف توجہ نہ کی اور فقہ ہی کے ہو رہے خود اپنی طبیعت سے یا دوسروں کے مشورہ سے صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۳۰ میں اِس روایت کو ذکر کرکے کہا ہے کہ یہ روایت محض غلط ہے اور باوجود اقرار اتصال سند کے غلط ہونے کی دلیل یہی اختلاف مضمون ہر سہ کتاب کا ٹھیرایا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اِس قسم کے واقعات دونوں طرح سے دنیا میں تاویل کیئے جاتے ہیں ہندوستان کے علما کا طریقہ درس ہے کہ شاگرد پڑھتا ہے اور اُستاد سنتا ہے اور عرب کے علما کا طریقہ درس

اسکا اوٹلا ہے اور دونوں ساتھ لفظ حدثنا کے تعبیر کیئے جاتے ہیں تمام دنیا کے خطوط اور مضامین انسان سے کے طرف منسوب ہوتے ہیں عام اس سے کہ خود اُس شخص نے وہ باتیں اپنے ذہن سے کہی ہوں یا دوسروں کے مشورے اُسنے قبول کیئے ہوں۔ بھلا یہ کون بات تھی کہ جسکو صاحب سیرۃ النعمان نے وجہ غلطی کی روایت متصل السند کے ٹھیرائی۔

دوسری وجہ غلط ہونے کی اس روایت کے صاحب سیرۃ النعمان نے یہ کہی ہے کہ جو ریمارک امام صاحب کے طرف منسوب کیئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کے طرف بھی نسبت نہیں کی جاسکتے۔

میں کہتا ہوں کہ اولا یہ قول امام صاحب کا اُس وقت کا ہے کہ جبتک امام صاحب نے کوئی علم نہیں پڑھا تھا یعنے بیس۲۰ برس کی عمر میں اس سن کے بعد امام صاحب علم کے طرف متوجہ ہوئے اُسوقت تک آپ پیشہ خاندانی تجارت کیا کرتے تھے جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان نے خود نقل کیا ہے ایسے وقت میں اگر معمولی شخص کے طرح کوئی بات کہی تو کیا محل تعجب ہے۔ دوسرے انسان اگر کسی ایک فن میں ماہر ہو تو دوسرے فن (جس سے وہ ناواقف ہو) کے نسبت اگر غلط ریمارک کرے تو کیا محل تعجب ہے علاوہ آپ یہ بتائیے کہ امام صاحب نے جو ریمارک کیا ہے وہ کون خلاف واقعہ ہے کیا حدیث والوں پر جرح و تعدیل نہیں ہوتی یا طلبہ اُنکے پاس نہیں جمع ہوتے۔

تیسری وجہ غلط ہونے کی اس روایت کے صاحب سیرۃ النعمان نے یہ لکھی ہے کہ تمام

معتمد روایتیں اسکے خلاف ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ کوئی معتمد روایت اس معنے کی نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فلاں فلاں محدث کی شاگردی کی اور انکی صحبت میں رہے اور حدیثیں حفظ کیں یوں بعض بعض محدثوں سے اتفاقاً ملاقات ہوئی اور اُن سے کوئی حدیث سُن لینی اور روایت کرنی یہ اور امر ہے اور اشتغال بالحدیث اور امر ہے کوئی ہرگز یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ امام ابوحنیفہ ایک مدت تک اشتغال بالحدیث اور فلاں فلاں محدث کے طول صحبت سے بہرہ مند ہوئے یا جیسے مضامین ہمنے امام شافعی رح کی نسبت تاریخ ابن خلکان سے نقل کیئے آپ امام ابوحنیفہ رح کی نسبت بھی ایسے مضامین تفصیل فرمائیے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح امام جعفر صادق رضہ کے شاگرد تھے ہیں۔ تاریخ ابن خلکان میں ترجمہ امام جعفر صادق میں لکھا ہے سأل اباحنیفۃ فقال علیہ السلام ماتقول فیمن کسر رباعیۃ ظبی فقال یاابن رسول اللہ ما اعلم ما فیہ فقال لہ انت تتداھی و لاتعلم ان الظبی لایکون لہ رباعیۃ وھو ثنی ابدا یعنے امام جعفر صادق رضہ نے امام ابوحنیفہ رح سے پوچھا کہ اُس مُحرم کے حق میں کیا کہتے ہو جو ہرن کا چار دانت توڑ دے امام ابوحنیفہ رح نے کہا کہ اے اولاد رسول مجھے نہیں معلوم امام جعفر صادق رضہ نے فرمایا کہ تم عقل خوب دوڑاتے ہو اور اتنا نہیں جانتے کہ ہرن کے چار دانت نہیں ہوتے دو ہی دانت ہوتے ہیں اور حیات الحیوان میں ہے قال ابن شبرمۃ دخلت انا وابوحنیفۃ علی جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہ فقلت ھذا الرجل فقیہ العراق فقال لعلہ یقیس

الدین برائه وهو نعمان بن ثابت ولم اعرف اسمه الا ذلك الیوم فقال ابو حنیفة نعم انا ذالك اصلحك الله فقال له جعفر الصادق اتق الله ولا تقس الدین برائك فان اول من قاس ابلیس اذ قال انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین فاخطأ بقیاسه وضل الی ان قال فانا نقف ومن خالفنا فنقول قال الله وقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وتقول انت واصحابك سمعنا ر رأینا فیفعل الله بنا وبکم ما شاء **ترجمہ** ابن شبرمہ نے کہا کہ ہم اور ابوحنیفہ امام جعفر صادق کے یہاں گئے میں نے عرض کیا کہ یہ شخص عراق کا فقیہ ہے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ شاید وہی شخص ہے جو دین کو رائے سے قیاس کرتا ہے یعنی نعمان بن ثابت ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ میں نے اسی دن ابوحنیفہ کا نام سُنا امام ابوحنیفہ بولے کہ میں ہی وہ شخص ہوں امام جعفر صادق نے کہا کہ خدا سے ڈر اور دین کو اپنی رائے سے قیاس مت کر پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے جو اُس نے کہا تھا کہ میں آدم سے اچھا ہوں مجکو تو نے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی سے تو ابلیس اپنے قیاس میں چوکا اور گمراہ ہوا یہانتک کہ کہا ہم لوگ اور ہمارے مخالفین کھڑے ہونگے ہم کہینگے قال اللہ وقال رسول اللہؐ اور تم اور تمھارے لوگ کہینگے کہ ہمنے سُنا اور ہماری رائے یہ ہوئی پھر جو اللہ چاہیگا ہمارے تمھارے ساتھ کریگا۔

اِن باتوں سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے یا نہیں۔

صاحب سیرۃ النعمان نے خطیب بغدادی کی روایت کے نسبت یہ بھی لکھا ہے کہ اِس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث وکلام کی طرف امام ابوحنیفہؒ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ اِن فنون میں امام ابوحنیفہؒ کا جو پایہ ہے اُس سے کون انکار کرسکتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عجیب بات ہے امام ابو حنیفہ کا محدث نہ کہلانا حدیث کی کتابوں
میں اُسنے روایت نہونی تو آپ کا مقبولہ ہے پھر فن حدیث میں پایہ ہونیکے نہیں معلوم
آپنے کیا معنے سمجھے ہیں فن رجال کی کتابوں میں امام صاحب کو فقیہ لکھا ہے تقریب التہذیب
میں صرف فقیہ مشہور لکھا ہے خلاصہ تہذیب التہذیب میں فقیہ الامۃ لکھا ہے اور
حجۃ اللہ البالغہ میں پہلے امام مالک کا ذکر بایں الفاظ لکھا ہے کان من اثبتھم فی الذین
عن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم واوثقہم اسنادا واعلمہم بقضایا عمر واقاویل عبد اللہ
ابن عمر و عائشۃ واصحابھم من الفقہاء السبعۃ وبہ وبامثالہ قام علم الروایۃ والفتوی یعنی
امام مالک علما سے مدینہ کی حدیثیں خوب یاد رکھتے ہیں اور اُنکی سند نہایت قوی تھی اور
حضرت عمر رض کے فیصلے اور عبد اللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رض اور اُنکے شاگردوں کے اقوال
خوب جانتے تھے اور اُنھیں کے ہمسروں سے روایت و فتوی کا علم قائم ہوا۔
اسکے بعد امام ابو حنیفہ کا حال لکھا ہے وکان ابو حنیفۃ الزمھم بمذھب ابراھیم واقرانہ
لایجاوزہ الاماشاء اللہ وکان عظیم الشان فی التخریج علی مذھبہ دقیق النظر فی وجوہ التخریجات
مقبلا علی الفروع اتم اقبال وان شئت ان تعلم حقیقۃ ما قلنا فلخص اقوال ابراھیم واقرانہ
من کتاب الآثار لمحمد وجامع عبد الرزاق ومصنّف ابی بکر بن ابی شیبۃ ثم قایسہ بمذھبہ
تجدہ لا یفارق تلک المحجۃ الا فی مواضع یسیرۃ وھو فی تلک الیسیرۃ ایضا لا یخرج عما ذھب
الیہ فقہاء کوفۃ ترجمہ اور امام ابو حنیفہ نے ابراہیم نخعی اور اُنکے اقران کا مذہب
لازم پکڑا تھا نہیں ٹلتے تھے اُس سے مگر بہت کم اور ابراہیم نخعی کے قواعد پر مسائل نکالتے ہیں

بڑی شان رکھتے تھے اور اُسکے طرق میں بڑے باریک بین تھے اور پوری توجہ اُنکی فروع پر تھی اگر تجکو میرے قول کی تحقیق منظور ہو تو آثار امام محمد اور جامع عبد الرزاق اور مصنف ابی بکر سے ابراہیم اور اُنکے اقران کے اقوال چن ڈال پھر امام ابو حنیفہ رح کے مذہب سے مقابلہ کر تو اُس طریقہ سے کہیں فرق نہیں پائیگا مگر چند جگہہ اور اُس چند جگہوں میں بھی امام ابو حنیفہ فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔

صاحب درایت اِس عبارت سے صاحب سیرۃ النعمان کے کلام (ان فنون میں امام ابو حنیفہ کا جو پایہ ہے اُس سے کون انکار کر سکتا ہے) کی حقیقت کا اندازہ کر سکتا ہے حجۃ اللہ کی عبارت کیسے وا شگاف طور پر کہہ رہی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی پوری توجہ فروع کی طرف تھی اور یہ کہ وہ ابراہیم نخعی وغیرہ کے قواعد کے پابند تھے اور اُسی سے مسائل نکالتے تھے جس سے صریح ثابت ہے کہ حدیث کی طرف اُنکی توجہ نہ تھی۔

باقی رہا صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا کہ اگر امام ابو حنیفہ رح نے حدیث کی طرف توجہ نہیں کی تو پھر مجتہد کیونکر ہوئی ایسے قول صاحب سیرۃ النعمان کا باعث طریقہ علمائے سلف سے ناواقفیت ہے مصفی شرح موطا میں ہے۔

باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتاوی بر دو وجہ بودند یکی آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع می کردند وازانجا استنباط می نمودند وایں اصل راہ محدثین ہست و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعے از ائمہ تنقیح و تہذیب آں کردہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا پس ہر مسئلہ کہ وارد میشد جواب آں از ہماں قواعد طلب میکردند وایں اصل راہ فقہا ہست و اشارہ بہمیں معنے ہست ازانکہ گفتہ اند کہ حماد بن ابی سلیمان اعلم ناس بود بمذہب ابراہیم

ای بقواعد کلیہ کہ وی در فتاوی تہذیب تنقیح آن کردہ بود۔

اس عبارت سے وہ بھی باطل ہوا جو صاحب سیرۃ النعمان نے اہل الحدیث واہل الرائے کا فرق بیان کیا ہے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک باب ہی اس مضمون کا ہے باب الفرق بین اھل الحدیث واصحاب الرائی پھر اولا اہل حدیث کا طریقہ نہایت طول و بسط کے ساتھ لکھا ہے گویا اسی عبارت مصنفی مذکورہ کی شرح کی ہے پھر بعد بیان محدثین اور طریقہ انکے آخر میں لکھا ہے وکان اعظمھم شانا واوسعھم روایۃ واعرفھم للحدیث مرتبۃ واعمقھم فقھا احمد بن محمد بن حنبل واسحٰق بن راھویہ وکان ترتیب الفقہ علی ھذا الوجہ یتوقف علی جمع شئ کثیر من الاحادیث والآثار ترجمہ محدثین میں سب سے بڑی شان والے اور زیادہ روایت والے اور حدیث کے مراتب زیادہ پہچاننے والے اور معانی نصوص خوب سمجھنے والے احمد بن محمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ (اساتذہ امام بخاریؒ) ہیں اور ترتیب فقہ کی اس طور پر موقوف تھی بہت احادیث وآثار کے جمع کرنے پر۔

پھر امام احمد کے بعد کے محدثین کا ذکر کرکے لکھا ہے وکان اوسعھم علما عندی وانفعھم تصنیفا واشھرھم ذکرا رجال اربعۃ متقاربون فی العصر اولھم ابو عبد اللہ البخاری وکان غرضہ تجرید الاحادیث الصحاح المستفیضۃ المتصلۃ من غیرھا واستنباط الفقہ والسیرۃ والتفسیر منھا فصنف جامعہ الصحیح ووفی بما شرط وبلغنا ان رجلا من الصالحین رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منامہ وھو یقول ما لک اشتغلت بفقہ محمد بن ادریس وترکت کتابی قال یا رسول اللہ وما کتابک قال صحیح البخاری ولعمری نال من الشھرۃ والقبول درجۃ لا ترام فوقھا

ترجمہ اور ان سب سے علم میں زیادہ اور صاحب تصانیف نافعہ اور مشہور ترین چار شخص ہیں جنکا قریب قریب زمانہ ہے ان سب کے اول امام بخاری ہیں اور انکا مقصود تھا احادیث صحیحہ کو الگ کرنا اور فقہ و سیر و تفسیر اُس سے استنباط کرنا تو صحیح بخاری تصنیف کی اور اپنی شرط پوری کی اور مجکو خبر پہنچی کہ ایک بزرگ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تو محمد بن ادریس کی فقہ میں کیوں مشغول ہو گیا ہے اور میری کتاب کو چھوڑ دیا ہے اُس بزرگ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کون سی ہے فرمایا صحیح بخاری — صاحب الحجۃ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی شہرت اور مقبولیت اُس درجہ ہوئی جس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتا

پھر ذکر محدثین کے بعد لکھا ہے وکان بازاء هؤلاء فی عصر مالك وسفیان وبعدهم قوم لا یکرهون المسائل ولا یهابون الفتیا ویقولون علی الفقه بناء الدین فلابد من اشاعته ویهابون روایة حدیث رسول الله صلّی الله علیه وسلّم ترجمہ امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہ کے زمانہ میں محدثین کے مقابلہ میں ایک قوم تھی جو کثرت سوال کو برا نہیں جانتی تھی و بیدھڑک فتوے دیتی تھی اور کہتی تھی کہ فقہ ہی پر دین کی بنا ہے ضرور چاہیئے اسکی اشاعت کرنی اور روایت حدیث سے بھاگتے تھے —

پھر اس قوم (طرف مقابل اہلحدیث) کی نسبت لکھا لم یکن عندهم من الاحادیث والآثار ما یقدرون به علی استنباط الفقه علی الاصول التی اختارها اهل الحدیث ولم تنشرح صدورهم للنظر فی اقوال علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم فی ذلك کانوا اعتقدوا فی ائمتهم انهم فی الدرجة العلیا من التحقیق وکان قلوبهم امیل شیء الی اصحابهم کما قال علقمة

هل لحد منهم اثبت من عبد الله وقال ابوحنيفة ابراهيم افقه من سالم ولولا فضل الصحبة لقلت علقمة افقه من ابن عمر **ترجمہ** ان لوگوں کے پاس احادیث و آثار ایسے نہ تھے جس سے وہ محدثین کی طرح مسائل استنباط کر سکتے اور اُنکے دل پر یہ بات نہیں کھلی کہ علمائے امصار کے اقوال دیکھتے اور جمع کرتے اور اُس سے بحث کرتے اسبارہ میں اُنھوں نے اپنے نفس کو متہم کیا تھا اُن لوگوں کا اپنے اماموں کی نسبت یہ اعتقاد تھا کہ اُنکا تحقیق میں بڑا درجہ تھا اُنکو بہت میلان اپنے اُستادوں کی طرف تھا جیسے علقمہ نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے کوئی بڑھکر ہے اور ابو حنیفہ رح نے کہا کہ ابراہیم نخعی سالم سے بڑھکر فقیہ ہے اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے بڑھکر فقیہ ہیں ۔

حجۃ اللہ البالغہ میں یہ مقام نہایت وضاحت اور طول بحث کے ساتھ لکھا ہے میں نے بخوف طوالت ملخص کر کے نقل کیا ہے اس کتاب میں کس صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ محدثین کے مقابلہ میں ایک قوم تھی جنکے پاس حدیثیں اتنی نہ تھیں جن سے وہ مسائل استنباط کر سکتے وہ لوگ اپنے اُستادوں پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے اور اُنھیں کے قواعد کے موافق بیدھڑک فتوے دیتے تھے دوسرے علما کے اقوال دیکھنا سننا بھی اُنکو میسر نہوا ایسے لوگوں کا مجملاً ذکر کر کے پھر امام ابو حنیفہ رح کا نام بھی بتا دیا کہ یہ اُسی جماعت کے ایک شخص تھے اور قبل اسکے ہم نقل کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح فقہائے کوفہ سے باہر نہیں جاتے علمائے حجاز (مکہ مدینہ) کے طرف اُنھوں نے رخ نہیں کیا بلکہ کوفہ میں بھی جو محدثین تھے اُن سے اور امام ابو حنیفہ رح سے مقابلہ ہی رہا جیسا کہ اس عبارت حجۃ اللہ میں صریح مذکور ہے اور علامہ ابن خلدون

مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں انقسم الفقہ فیہم الی طریقین طریقۃ اھل الرائی والقیاس وھم اھل العراق وطریقۃ اھل الحدیث وھم اھل الحجاز وکان الحدیث قلیلاً فی اھل العراق لما قدمناہ فاستکثروا من القیاس ومھروا فیہ فلذلک قیل اھل الرای ومقدم جماعتھم الذی استقر المذھب فیہ وفی اصحابہ ابوحنیفۃ وامام اھل الحجاز مالک بن انس والشافعی من بعد ترجمہ اگلوں میں فقہ کے دو طریقے ہوگئے ایک طریقہ اہل الرائے کا اور وہ عراق (کوفہ وغیرہ) والوں کا طریقہ ہے دوسرا طریقہ اہل حدیث کا اور وہ حجاز (مکہ مدینہ) والوں کا طریقہ ہے اور عراق والوں میں بوجہ مذکور حدیث کم تھی تو انھوں نے کثرت سے قیاس کیا اور قیاس ہی میں ماہر ہوئے اسلیئے انکا نام اھل الرائے رکھا گیا اور اس جماعت کے سردار جنمیں اور جنکے شاگردوں میں مذہب مقرر ہوا ابوحنیفہ ہیں اور حجاز (مکہ مدینہ) والوں کے پیشوا امام مالک پھر امام شافعی ہیں۔ پھر بعد تقل مذاہب کے علامہ ابن خلدون کہتے ہیں ولم یبق الامذھب اھل الرائی من العراق واھل الحدیث من الحجاز فاما اھل العراق فامامھم الذی استقرت عندہ مذاھبھم ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت ومقامہ فی الفقہ لایلحق شھد لہ بذلک اھل جلدتہ وخصوصاً مالک والشافعی واما اھل الحجاز فکان امامھم مالک بن انس الاصبحی امام دار الھجرۃ۔

ترجمہ اُن مذاہب میں سے دو ہی مذہب رہگئے ایک عراق کے اہل الرائے کا مذہب دوسرے حجاز کے اہل حدیث کا مذہب۔ عراق والوں کے امام امام ابوحنیفہ ہیں۔ اور انکا فقہ میں بڑا درجہ ہے جسپر انکے ہمسروں نے شہادت دی خصوصاً مالک و شافعیؒ

باقی رہے اہل حجاز (مکہ مدینہ) والے اُنکے امام امام مالک ہیں اور علوم حدیث کے بیان میں علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں واعلم ایضا ان الائمۃ المجتہدین تفاوتوا فی الاکثار من ھذہ الصناعۃ والاقلال فابو حنیفۃ رض یقال بلغت روایتہ الی سبعۃ عشر حدیثا او نحوھا ومالک رح انما صح عندہ ما فی کتاب المؤطا وغایتہا ثلث مائۃ حدیث او نحوھا واحمد بن حنبل رحمہ اللہ فی مسندہ خمسون الف حدیث ترجمہ یہ بھی جان لے کہ ائمہ مجتہدین حدیث کے کم وبیش روایت کرنے میں متفاوت ہیں امام ابو حنیفہ رض کی نسبت کہا گیا ہے کہ اُنکی روایت سترہ یا کسیقدر اس سے کم وبیش ہے اور امام مالک کے نزدیک وہی روایتیں صحیح ہیں جو مؤطا میں ہیں جنکی غایت تین سو حدیث یا کچھ کم وبیش ہے اور امام احمد بن حنبل رح کے مسند میں پچاس ہزار حدیث ہیں۔

اسی عبارت ابن خلدون کو صاحب سیرۃ النعمان نے یوں اوڑایا ہے (بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کے ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں سے بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صاحب فہم وفراست ابن خلدون کے دونوں عبارت ملاحظہ کرکے کہہ سکتا ہے کہ کیسا واشگاف اور مستقل مضمون ہے اور صاحب سیرۃ النعمان کے کلام (ابن خلدون کے ضمنی قول الخ) کی صدق وحقیقت کا اندازہ کرسکتا ہے نہیں معلوم کہ اس قسم کی غلط باتوں میں بقول خود آپنے کون روش اختیار کی ہے شائد اسی روش کو آپنے

طرز محدثانہ۔ مورخانہ۔ مجتہدانہ قرار دیا ہے۔ باقی رہا ابن خلدون کا وہ قول جو صاحب
سیرۃ النعمان نے ذکر کیا ہے اُسمیں بھی امام ابوحنیفہ سے حدیث کی روایت بکثرت
ہونی مذکور نہیں ہے بلکہ قلت روایت کا تو اوسمیں بھی اقرار ہے صاحب سیرۃ النعمان نے
اسجگہہ خوب حرفتیں کی ہیں لکھتے ہیں (علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث میں مجتہدین
کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ بعض ناانصاف مخالفین کا قول ہے) صاحب سیرۃ النعمان کی یہ چالاکی
ہے جو لکھتے ہیں کہ مجتہدین کا ذکر کرکے بھلا یہ تو فرمایئے کہ مجتہدین کا کیا ذکر کیا ہے یہاں پر
ابن خلدون کی وہی عبارت تھی جو مینے ابھی نقل کی ہے جسمیں مجتہدین کا رتبہ فن حدیث
میں متفاوت ہونا اور امام ابوحنیفہ کا سبب سے قلیل الروایۃ ہونا اور اُنسے صرف سترہ
حدیث کی روایت منقول ہونی مذکور ہے چونکہ یہ مضمون خلاف صاحب سیرۃ النعمان کے تھا
اور جسکو المضمون نے یوں اوڑایا ہے کہ ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے
کما مرّ۔ لہذا اس مقام کا مضمون مجمل کر دیا کہ مجتہدین کا ذکر کرکے اور جو مضمون (بعض ناانصاف
مخالفین) ابن خلدون کا صاحب سیرۃ النعمان نے نقل کیا ہے وہ امام ابوحنیفہ کی نسبت
ہرگز نہیں بلکہ اور اماموں کی نسبت ہے اگر امام ابوحنیفہؒ کی نسبت ہوتا تو علامہ ابن خلدون
بعد اس تقریر کے امام ابوحنیفہؒ کا خاص الگ کرکے ذکر نہ کرتے جیسا کہ لکھا ہے والامام
ابوحنیفة انما قلت روایته لما شدّد فی شروط الروایة والتحمّل وضعف روایة الحدیث
الیقینی اذا عارضها الفعل النفسی و قلت من اجلها روایته فقل حدیثه لا انّه ترك روایة
الحدیث متعمدا فحاشاه من ذلك۔۔۔۔

ترجمہ اور امام ابوحنیفہ رح کی روایت اسوجہ سے کم ہے کہ انھوں نے حدیث کی روایت
کرنے اور یاد کرنے کے شروط سخت رکھے تھے اور حدیث صحیح کی روایت کو ضعیف
کہدیتے اگر قیاس اُسکے معارض ہوتا اسوجہ سے اُنکی روایت اور حدیث کم ہوئی
نہ یہ کہ اُنھوں نے قصدًا احادیث کی روایت چھوڑدی تھی اُنکے شان سے یہ بعید ہے

اس عبارت کا چونکہ یہ صریح مضمون تھا کہ امام صاحب قلیل الحدیث او قلیل
الروایۃ تھے اسلیئے صاحب سیرۃ النعمان نے اسکو اڑا دیا اور اسکی اوپر کی عبارت جو
اور اماموں کی نسبت تھی اُسکو امام ابوحنیفہ کی طرف لگا دیا شائد یہی آپ کا مورخانہ
ڈھنگ ہے بھلا یہ تو بتایئے کہ اگر وہ عبارت ابن خلدون کی امام ابوحنیفہ رح کے بارہ میں
ہوتی تو بعد ہی اُسکے امام ابوحنیفہ کا ذکر بسبیل عطف کرکے ابن خلدون کا یہ لکھنا کہ وہ قلیل الحدیث
اور قلیل الروایۃ ہیں اور اسکی وجہ دوسری قرار دینی لغو اور بیجا ٹھیریگی صاحب
سیرۃ النعمان نے یہ حرکت کی ہے کہ اوپر کا مضمون (جو اور اماموں کے حق میں تھا) لیلیا
اور پیچھے کا مضمون اُسکے ساتھ ملادیا اور بیچ کا مضمون اُسکے اڑا دیا کیوں صاحب
یہ کون روش ہے مورخانہ یا محدثانہ علاوہ علامہ ابن خلدون نے جو امام صاحب کے
قلیل الحدیث والروایۃ ہونے کا سبب بیان کیا ہے وہ دلیل بیّن ہے اسکی کہ وہ
عبارت اوپر والی امام صاحب کے حق میں نہیں ہے کیونکہ اُس عبارت کا حاصل یہ ہے
کہ ائمہ کبار نے اپنی اپنی کتاب میں حدیثیں کم لکھیں یا کم روایت کیں اسکی وجہ یہ نہیں
ہے کہ اُنکو حدیثیں کم معلوم تھیں اور کم یاد تھیں بلکہ ضعف طرق وغیرہ کی وجہ سے اُنھوں نے

اپنی احادیث معلومہ اور محفوظہ میں سے کم لکھیں اور کم روایت کیں اور امام ابوحنیفہ رح
کی نسبت تو اولاً قلیل الحدیث اور قلیل الروایۃ دونوں لفظ لکھے پھر وجہ یہ لکھی کہ وہ
اُستاد سے حدیث اخذ کرنے اور اُسکو روایت کرنے دونوں میں شروط سخت رکھے
تھے جس سے لازم یہ آتا ہے کہ اُنھوں نے اخذ حدیث ہی کم کیا پھر صراحۃً لکھدیا کہ
اُنکے مذہب میں حدیث کم ہے اور قیاس بکثرت ہے ایسی حالت میں مضمون سابق
اُنکے حق میں کیونکر ہو سکتا ہے صاحب سیرۃ النعمان نے اِسمقام کا مطلب نہیں
سمجھا یا دانستہ چال کی باقی رہا امام ابوحنیفہ رح کے قلیل الحدیث اور قلیل الروایۃ ہونے
کا سبب جو ابن خلدون نے لکھا ہے اور صاحب سیرۃ النعمان نے اُسپر بڑا زور شور
دکھایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں (علامہ موصوف نے اِسکا سبب یہی بتایا ہے کہ امام
ابوحنیفہ رح کی روایتیں کم کیوں ہیں ہم خود اِسکو مفصل لکھینگے)
میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کے قلیل الحدیث اور قلیل الروایۃ ہونے کا یہ سبب خود
امام صاحب اور اُنکے شاگردوں سے یا اُس زمانہ کے محدثین و فقہا سے مروی
نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن خلدون نے بعد بیان کرنے اس سبب کے خود لکھا ہے
فالقوم احق الناس بالظن الجميل بهم والتماس المخارج الصحيحة بهم والله سبحانه وتعالى اعلم
بما فی حقائق الامور یعنے یہ لوگ زیادہ مستحق ہیں اسکے کہ اُنکے ساتھ گمان نیک
کیا جاوے اور اُنکے واسطے صحیح راستہ ڈھونڈھا جاوے اور اصل حقیقت خدائے
پاک کو معلوم ہے۔

اس عبارت کا صاف مطلب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قلیل الحدیث اور قلیل الروایۃ ہونے کا جو سبب علامہ موصوف نے بیان کیا ہے وہ علامہ کا ذہنی مضمون ہے اور یہ کہ جب امام صاحب کی قلت حدیث اور قلت روایۃ کی کوئی وجہ صحیح نہیں ملی تو علامہ نے یہ بات بنائی اور اُسکے ضعف کی طرف خود اشارہ کردیا کہ یہ بنابر گمان خیر کے یہ بات بنائی ہے اور حقیقت امر خدا جانے۔ اسی مضمون پر صاحب سیرۃ النعمان کا وہ زور شور تھا۔ علاوہ ہیں کہتا ہوں کہ واقع کے محض خلاف ہے یہ امر کہ امام ابوحنیفہ نے باعث احتیاط اور شدّت شروط کے روایت کم کی امام ابوحنیفہ کی روایت ضعفائے سے موجود ہے اور محدثین کا یہ اعتراض بھی اُنپر ہوا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحی لکھنوی نے تعلیق الممجد (جس سے صاحب سیرۃ النعمان نے بھی اخذ کیا ہے) میں یہ اعتراض محدثین کا نقل کرکے قبول کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ موجب قدح امام صاحب نہیں ہے چنانچہ تعلیق الممجد کی عبارت یہ ہے ومنہا انہ روی کثیرا عن الضعفاء وھذا امر مشترك بین العلماء یعنے اون اعتراضات میں سے جو امام ابوحنیفہ پر ہیں ایک یہ ہے کہ وہ بیشتر ضعفائے سے روایت کرتے ہیں اور یہ بات تو اور علماء میں بھی پائی جاتی ہے۔

اس موقع پر صاحب سیرۃ النعمان نے یہ بھی لکھا ہے کہ (علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ رہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہے کہ انکا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور ردًّا و قبولًا اوس سے بحث کیجاتی ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ ابن خلدون نے یہ بھی ایک بات اوسی طور پر بنا دی ہے جیسے سبب سابق چنانچہ ان سب باتوں کے بعد وہ مضمون لکھا ہے کہ جینے بنا بر اسکے کہ اپنی قوم کی طرف سے کوئی راستہ نکالنا چاہیئے یہ سب کہا ہے ورنہ اس کلام میں دو جملے بر سبیل عطف تفسیری آئے ہیں۔ (نمبرا) محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے (نمبر۲) اور ردًا وقبولاً اس سے بحث کیجاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ردًا بحث کیا جانا اعتبار کی دلیل کیونکر ہوسکتی ہے اگر ایسا ہو تو فرق باطلہ کے مذاہب بھی ردًا بحث کیئے جاتے ہیں باقی رہا قبولاً بحث کیا جانا میں کہتا ہوں کہ اس سے کیا مراد ہے اگر یہ ہے کہ ترمذی وغیرہ میں موقع ذکر مذاہب میں انکا مذہب بھی ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بات جب ہوتی کہ زمرہ محدثین کے ساتھ انکا ذکر ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے ترمذی نے موقع ذکر مذاہب میں محدثین کو اکٹھا ذکر کر کے انکا مذہب الگ یوں ذکر کیا ہے وبہ یقول اهل الرای یعنے اہل الرائے بھی ایسا ہی کہتے ہیں اسطرح ذکر کرنے کو کون کہسکتا ہے کہ محدثین میں اونکا مذہب معتبر خیال کیا جاتا ہے خصوصًا اوس حالت میں کہ علامہ ابن خلدون نے خود بصراحت تمام لکھدیا ہے کہ انکا طریقہ اور ہے اور اُنکا طریقہ اور ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔

صاحب سیرۃ النعمان نے امام ابوحنیفہ رح کی قلت روایت کو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قلت روایت پر قیاس کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں (انکی تصنیف یا روایتوں کا مدون نہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہوسکتی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رض تو بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت تھوڑے دن زندہ رہے اور امور خلافت سیاست اقامت حدود و بعث جیوش قتال مرتدین میں آپ کو بلیغ اہتمام رہا اور اُسوقت لوگ بھی وہی تھے جو شرف صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف تھے صحابہ رضی اللہ عنہم ہزارہا حدیث بیان کرنے والے موجود تھے حضرت ابوبکر صدیق رض کو نہ اسقدر وقت ملا اور نہ فرصت ملی نہ لوگوں کو اُنسے احادیث دریافت کرنے کی چنداں حاجت پڑی چنانچہ حافظ سیوطی تاریخ الخلفا میں بذیل ذکر حضرت ابوبکر صدیق رض لکھتے ہیں وکان مع ذلك اعلمهم بالسنة كما رجع اليه الصحابة فى غير موضع يبرز عليهم بنقل سنن عن النبى صلى الله عليه وسلم يحفظها هو ويستحضرها عند الحاجة اليها ليست عندهم وكيف لا تكون كذلك وقد واظب صحبة رسول الله صلى الله عليه وسلم من اول البعثة الى الوفات وهو مع ذلك من اذكى عباد الله واعقلهم وانما لم يرو عنه من الاحاديث المسندة الا القليل لقصر مدته وسرعة وفاته بعد النبى صلى الله عليه وسلم والا فلو طالت مدته لكثرت ذلك عنه جدا ولم يترك الناقلون عنه حديثا الا نقلوه ولكن كان الذين فى زمانه من الصحابة لا يحتاج احد منهم ان ينقل عنه ما قد شاركه هو فى رواية فكانوا ينقلون عنه ما ليس عندهم **ترجمہ** ساتھ ان باتوں کے ابوبکر صدیق رض سب سے زیادہ حدیث جاننے والے تھے جیسا کہ بیشتر باتوں میں صحابہ نے اُنکی طرف رجوع کیا اور وہ اپنے حفظ اور یاد سے عندالحاجت وہ حدیثیں صحابہ کو بتاتے

تھے جو اُنکے پاس نہ تھیں اور کیوں نہیں آخر شروع نبوت سے وفات تک آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ ساتھ رہے اور وہ سارے بندگان خدا میں نہایت ذہین
وعاقل تھے اور اُن سے احادیث تھوڑی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکو مدت کم ملی اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوڑے ہی دن بعد وفات کیا ورنہ اگر زمانہ زیادہ
ہوتا تو اُن سے بکثرت حدیثیں مروی ہوتیں اور محدثین نے اُنکی کوئی حدیث نہیں
چھوڑی لیکن بات یہ تھی کہ جو لوگ اُنکے زمانہ میں تھے وہ صحابہ تھے جو اپنی روایات
معلومہ میں ابو بکر صدیق رضہ کے محتاج نہ تھے وہ لوگ ابو بکر صدیق رضہ سے صرف وہ
حدیثیں روایت کرتے ہیں جو اونکو خود معلوم نہ تھیں ـ بھلا امام ابو حنیفہ رح کا حال ابو بکر
صدیق رضہ پر قیاس کرنا کسقدر موزون ہے۔ ابو بکر صدیق رضہ کا زمانہ تھوڑا اُنکے زمانہ
کے لوگ صحابہ خود احادیث سے واقف اور ساتھ اِن سب کے ابو بکر صدیق رضہ سے سو سے
زیادہ روایتیں حافظ سیوطی نے نقل کی ہیں اور امام نووی سے نقل کیا ہے قال النووی
فی تھذیبہ روی الصدیق عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مائۃ حدیث و
اثنین واربعین حدیثا وسبب قلۃ روایتہ انہ تقدمت وفاتہ قبل انتشار الاحادیث
واعتناء التابعین بسماعتھا وتحصیلھا وحفظھا ترجمہ نووی نے تہذیب الاسماء
میں لکھا ہے کہ ابو بکر صدیق رضہ نے ۱۴۲ حدیثیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کیں اور سبب قلت روایت کا اُنکے یہ ہے کہ اُنکا انتقال ہو گیا قبل اسکے کہ حدیث
پھیلے اور تابعی لوگ احادیث کے سننے وحفظ کرنے کی طرف متوجہ ہوں ـ

ابوبکر صدیق رض کا تو یہ حال ہے اور امام ابوحنیفہ رح بقول صاحب سیرۃ النعمان پچاس[۵۰] برس تک درس و تدریس و افتا میں مشغول رہے اور جوق جوق لوگ تمام دیہات اور شہروں سے اُنکے یہاں استفادہ کے لیئے آتے رہے اور تلامذہ اور مستفیدین کی کثرت رہی یہانتک نوبت پہنچی کہ اُنکی اُستادی کے حدود خلیفہ وقت کے حدود و حکومت کے برابر برابر تھے جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۵۸ میں لکھا ہے اور ساتھ اسکے اُنکی روایت کی تعداد اسقدر بھی نہیں ہے جسقدر ابوبکر صدیق رض کی روایت کی تعداد ہے آپ لکھتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رض سے کل ستّرہ[۱۷] حدیثیں مروی ہیں حالانکہ صرف صحیح بخاری میں اُنسے بائیس[۲۲] حدیثیں مروی ہیں حافظ[۱] ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس حضرت عمر فاروق رض کی حدیث بھی سمجھنا چاہیئے صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رض سے صرف پچاس[۵۰] حدیثیں مروی ہیں حالانکہ یہ بات محض غلط دروغ بیفروغ ہی ایک کتاب صحیح بخاری میں حضرت عمر رض سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں دیکھو مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۷۴ اور سب کتابوں کی روایتیں ملاکر تو پانسو[۵۰۰] سے زیادہ ہوتی ہیں حافظ سیوطی صفحہ ۱۰۸ تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں روی له عن رسول الله صلی الله علیه وسلم خمسمائة حدیث وتسعة وثلثون حدیثا یعنی حضرت عمر فاروق رض سے پانسوانتالیس[۵۳۹] حدیث مروی ہے صاحب سیرۃ النعمان کا یہی طرز مورخانہ ہے کہ بالکل غلط جھوٹی باتیں بے سند لکھدیا کرتے۔

[۱] علاوہ کسی کے لکھنے پر کیا موقوف ہے صحیح بخاری موجود ہے جسکو شبہ ہو ابوبکر صدیق رض کے مرویات گنکر میں دکھا سکتا ہوں[۱۲]

اصل یہ ہے کہ جس زمانہ تک صحابہ ہزاروں ہزار موجود تھے اُسوقت تک طالبین حدیث کو حسب موقع وقت ہر صحابہ سے اخذ روایت کا اتفاق ہوتا تھا اور اُسوقت تک جو صحابہ زندہ رہے اُنسے بکثرت روایت نہیں ہوئی اور جو زمانہ بعد تک زندہ رہے اور وہ زمانہ آیا کہ چیدہ چیدہ صحابی رہگئے تو تابعیوں کو اُنہیں خاص خاص لوگوں سے اخذ احادیث کی ضرورت پڑی اور ایسے صحابیوں سے روایت زیادہ ہوئی امام ابوحنیفہ رح کی نسبت اسکی تنظیر کیونکر ہوسکتی ہے علاوہ امام ابوحنیفہ سے فقہ کی روایت بکثرت موجود ہے اور حدیث کی روایت بمقابلہ اُسکے گویا نادر ہے پھر اُنکو خلفائے راشدین پر قیاس کرنا خام عقلی نہیں تو کیا ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۱ میں لکھتے ہیں (اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس وتدریس میں مشغول تھے اُنمیں دو فرقے قائم ہوگئے تھے ایک وہ جنکا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کو جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے یہانتک کہ اونکو ناسخ ومنسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام واستخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا پہلا فرقہ اہل الروایۃ اور اہل الحدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا انتہی ملخصًا)

میں کہتا ہوں کہ یہ محض نادانی اور ناواقفی یا دانستہ غلط بیانی ہے یہ کہنا کہ اہل حدیث احادیث سے استنباط مسائل نہیں کرتے تھے بلکہ ناسخ ومنسوخ سے بھی اونکو کچھ سروکار

نہ تھا روز روشن کو شب تار کہنا ہے ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم + چشمۂ آفتاب را چہ گناہ) مصنفی اور حجۃ اللہ البالغہ اور علامہ ابن خلدون کی عبارت ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ محدثین قرآن و احادیث و آثار صحابہ سے استنباط مسائل کرتے تھے اور فقہا کو نصوص سے سروکار نہ تھا وہ قواعد کلیہ (جو انکے اساتذہ نے بنائے تھے) سے تخریج مسائل کرتے تھے بلکہ حدیث کی روایت سے بھاگتے تھے جیسا کہ حجۃ اللہ کی عبارت میں ہے ویہابون روایۃ الحدیث علامہ ابن خلدون کا صریح قول ہے کہ فقہ دو قسم ہو گئی ایک رائے والوں کی فقہ اور دوسری حدیث والوں کی فقہ علاوہ صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی کتابیں موجود ہیں اور علما کے ہاتھوں میں متداول ہیں بلکہ ترجمہ ہو جانے کی وجہ سے ہر شخص حرف آشنا دیکھ سکتا ہے کہ تمام ان کتابوں میں قرآن و حدیث سے استنباط مسائل موجود ہے ایسے موقع میں صاحب سیرۃ النعمان نے بڑی دلیری کی کہ محض خلاف واقع محدثین کی نسبت لکھدیا کہ وہ استنباط مسائل نہیں کرتے تھے۔ ہم یہاں پر محدثین کے نسبت اقوال علما نقل کرتے ہیں حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری کے نسبت لکھتے ہیں قال حاشد بن اسمٰعیل قال لی ابو مصعب احمد بن ابی بکر الزهری محمد بن اسمٰعیل افقه عندنا و ابصر بالحدیث من احمد بن حنبل یعنے حاشد بن اسمٰعیل نے کہا کہ احمد بن ابی بکر زہری نے مجھسے کہا کہ میرے نزدیک امام بخاری رح حدیث کی بصیرت اور فقاہت میں احمد بن حنبل رح سے بڑھکر ہیں قال قتیبة بن سعید جالست الفقهاء والزهاد

والعباد فما رأیت منذ عقلت مثل محمد بن اسمعیل وھو فی زمانہ کعمر فی الصحابة
ترجمہ قتیبہ بن سعید نے کہا کہ میں فقہا وزاہدوں وعابدوں کی صحبت میں رہا مگر میں نے
اپنے زمانہ شعور سے امام بخاری رح کا مثل نہیں دیکھا وسئل قتیبة عن طلاق
السکران فدخل محمد بن اسمعیل فقال قتیبة للسائل ھذا احمد بن حنبل واسحٰق بن
راھویہ وعلی بن المدینی قد ساقھم اللہ الیک واشار الی البخاری ترجمہ قتیبہ سے کسی نے
طلاق سکران کا مسئلہ پوچھا اتنے میں امام بخاری رح آگئے تو قتیبہ نے سائل سے کہا
لے یہ احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہ وعلی بن مدینی سب کو اللہ نے تیری طرف
پہنچا دیا اور امام بخاری رح کی طرف اشارہ کیا وقال یعقوب بن ابراھیم الدورقی ونعیم بن
حماد الخزاعی محمد بن اسمعیل البخاری فقیہ ھذہ الامة ترجمہ یعقوب بن ابراہیم
دورقی اور نعیم بن حماد خزاعی نے کہا کہ محمد بن اسمعیل اس امت کے فقیہ ہیں قال بندار
محمد بن بشار ھو افقہ خلق اللہ فی زماننا یعنے محمد بن بشار نے کہا کہ بخاری ہمارے زمانہ
کے سارے مخلوق سے بڑھکر فقیہ ہیں وقال عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی قد رأیت
العلماء بالحرمین والحجاز والشام والعراق فما رأیت فیھم اجمع من محمد بن اسمٰعیل وقال
ایضًا ھو اعلمنا وافقھنا واکثرنا طلبا وسئل الدارمی عن حدیث وقیل لہ ان البخاری صححہ
فقال محمد بن اسمٰعیل ابصر منی وھو اکیس خلق اللہ عقل عن اللہ ما امر بہ ونھی عنہ
من کتابہ وعلی لسان نبیہ اذا قرء محمد القرآن شغل قلبہ وبصرہ وسمعہ وتفکر
فی امثالہ وعرف حلالہ من حرامہ ترجمہ عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی نے کہا کہ

مینے علما کو حرمین ۔ حجاز ۔ عراق ۔ شام میں تمام دیکھا مگر کسی کو امام بخاری جیسا جامع نہیں
پایا اور یہ بھی کہا کہ بخاری ہم لوگوں سے بڑھکر عالم اور فقیہ اور زیادہ طلب علم کرنے والے
ہیں اور امام دارمی سے کسی نے ایک حدیث پوچھی اور کہا کہ اس حدیث کو بخاری
نے صحیح کہا ہے تو امام دارمی نے کہا کہ بخاری ہم لوگوں سے زیادہ بصیرت والے ہیں
اور ساری مخلوق سے زیادہ سمجھنے والے ہیں انھوں نے اللہ کے امر و نہی کو اسکی
کتاب اور اسکے نبی کی زبان سے معلوم کیا جب امام بخاری قرآن پڑھتے تو انکا دل
اور آنکھ و کان مشغول ہو جاتا تھا اور اسکے مضامین میں غور کرتے تھے اور حرام و حلال
کے مسائل قرآنیہ سمجھتے تھے ۔ حافظ ابن حجر نے علما اور ائمہ کے بہت اقوال اس بارہ
میں نقل کیئے ہیں اور مقدمہ کے متعدد صفحے اسی بیان میں پورے کیئے ہیں ۔
اور خلاصہ تذہیب التہذیب میں امام بخاری کے تذکرہ میں لکھا ہے قال احمد ما
ما اخرجت خراسان مثل محمد بن اسمٰعیل فقیہ ھذہ الامۃ یعنے امام احمد بن حنبل
نے کہا کہ خراسان میں کوئی امام بخاری فقیہ امت محمدیہ کا مثل نہیں نکلا ۔ اور مولوی
عبدالحی صاحب لکھنوی فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں جلالۃ قدر البخاری و دقۃ فہمہ
وسعۃ نظرہ وغورہ و فکرہ مما لا یخفی علی من انتفع بصحیحہ ترجمہ جو صحیح بخاری سے
بہرہ مند ہوا ہے اسپر امام بخاری کی عظمت اور انکی باریک فہمی اور وسعت نظر اور
نکتہ شناسی پوشیدہ نہیں ہے اور امام الکلام میں ہے من نظر بنظر الانصاف وغاص
فی بحار الفقہ والاصول متجنبا عن الاعتساف یعلم علما یقینیا ان اکثر المسائل الفقہیۃ

والاصلية التی اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها اقوی من مذاهب غيرهم وانی کلما اسير فی شعب الاختلاف اجد قول المحدثين فيه قريباً من الانصاف فلله درّهم وعليه شکرهم کيف لا وهم ورثة النبی صلی الله عليه وسلم حقا ونواب شرعه صدقا حشرنا الله فی زمرتهم وامانتنا علی حبهم وسيرتهم

ترجمہ جنے انصاف کی نگاہ سے دیکھا ہے اور فقہ و اصول کے دریا میں غوطہ لگایا ہے اگر اسمیں کجروی نہیں ہے تو وہ یقیناً جانتا ہے کہ اکثر ایسے مسائل فرعیہ و اصلیہ جنمیں علما مختلف ہوئے ہیں محدثین ہی کا مذہب اُن میں اوروں کے مذاہب سے قوی تر ہے۔ اور میں جہاں تک اختلافی باتوں کو دیکھتا ہوں محدثین ہی کا قول اُسمیں ٹھیک پاتا ہوں اللہ ہی کے واسطے ہے خوبی اُنکی اور اُسی کے ذمہ ہے جزا اُنکی کیوں نہوں وہی لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث اور شریعت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے نوّاب ہیں اللہ ہمیں حشر اُنکے زمرہ میں کرے اور ہمکو اُنکی محبت اور خصلت پر دنیا سے اوٹھاوے۔

اور علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کان اعلم الشريعة فی مبدء هذه الامر نقلا صرفا شمروا لها السلف وتحروا الصحيح حتی اکملوها وکتب مالک رحمه الله کتاب الموطا اودعه اصول الاحکام من الصحيح المتفق عليه ورتبه علی ابواب الفقه ثم عنی الحفاظ بمعرفة طرق الاحاديث واسانيدها المختلفة وربما قطع اسناد الحديث من طرق متعددة عن رواة مختلفين وقد يقع الحديث ايضاً فی ابواب متعددة باختلاف

المعانی التی اشتمل علیہا وجاء محمد بن اسمٰعیل البخاری امام المحدثین فی عصرہ فخرج احادیث السنة علی ابوابہا فی مسندہ الصحیح بجمیع الطرق التی للحجازیین والعراقیین والشامیین واعتمد منہا ما اجمعوا علیہ دون ما اختلفوا فیہ وکرر الاحادیث یسوقہا فی کل باب بمعنی ذلک الباب الذی تضمنہ الحدیث فتکررت لذلک احادیثہ حتی یقال انہ اشتمل علی تسعة الاف حدیث ومائتین منہا ثلاثة الاف متکررة وفرق الطرق والاسانید علیہا مختلفة فی کل باب ثم جاء الامام مسلم بن حجاج القشیری رحمہ اللہ تعالی فالف مسندہ الصحیح حذا فیہ حذو البخاری فی نقل المجمع علیہ وحذف المتکرر منہا وجمع الطرق والاسانید وبوبہ علی ابواب الفقہ وتراجمہ۔ ترجمہ ابتدا میں علم شریعت کا صرف نقلی تھا سلف اسکے لیئے آمادہ ہوئے اور صحیح کو ڈھونڈھکر پورا کیا اور امام مالکؒ نے مؤطا لکھی اسمیں احکام کے صحیح اصول جو متفق علیہ تھے درج کیئے اور فقہ کے بابوں پر اُسکو ترتیب دیا بعد اُسکے محدثین نے قصد کیا طرق احادیث اور مختلف سندوں کے پہچاننے کا اور کبھی حدیث کی سند چند راویوں سے متعدد طرق سے ہوتی ہے اور کبھی ایک ہی حدیث چند بابوں میں واقع ہوتی ہے اس سبب سے کہ وہ حدیث چند معنی کو شامل ہوتی ہے اور اپنے زمانہ کے امام المحدثین امام بخاریؒ آئے تو صحیح بخاری میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو ہر باب کے موافق لائے اور اوسمیں محدثین حجاز و عراق و شام کی سندوں کو جمع کیا اور اعتماد انھیں حدیثوں پر کیا جنپر تمام محدثین کا اتفاق تھا نہ اُن حدیثوں پر جو مختلف فیہ تھیں اور بہت حدیثوں کو موافق مضمون حدیث کے ہر باب

میں مکرر لائے اسلیے انکی حدیثیں مکرر ہوئیں اور کہی جاتی ہے یہ بات کہ صحیح بخاری میں نو ہزار دو سو حدیثیں ہیں جنمیں سے تین ہزار حدیثیں مکرر ہیں اور امام بخاری رح ہر باب میں حدیث نئی سند سے لائے بعد انکے امام مسلم ہوئے انھوں نے صحیح مسلم تالیف کی اور احادیث متفق علیہا کے نقل کرنے میں بخاری ہی کی چال چلی اور مکرر کو حذف کر دیا اور طرق واسانید کو جمع کر دیا اور فقہ و تراجم کے بابوں پر اُس کتاب کو ترتیب دیا اسکے بعد علامہ ابن خلدون نے ابو داود و ترمذی و نسائی کا ذکر کرکے لکھا ہے وھٰذہ المسانید المشہورۃ فی الملّۃ وھی امہات کتب الحدیث فی السنۃ یعنے یہی کتابیں ہیں جو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور ہیں اور طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتب حدیث کی اصل وجڑ ہیں۔

یہ سب عبارتیں شاہد ہیں اسپر کہ محدثین نے احادیث سے استنباط مسائل کیا علاوہ شہادت کی کیا ضرورت ہی عیاں راچہ بیاں۔

علامہ ابن خلدون کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حدیث کی روایت میں بخاری ومسلم کی شرطیں بہت سخت ہیں یعنے ان حضرات نے وہی حدیثیں درج کتاب کیں جنکی صحت پر اتفاق تھا اس تشدّد و شرط کے ساتھ ان لوگوں کی ہزارہا روایتیں موجود ہیں امام بخاری کی روایتیں انکی صرف ایک کتاب صحیح بخاری میں ۹۲۰۰ موجود ہیں ایسے شروط سخت کے ساتھ ان لوگوں کے روایت کی یہ کثرت اور امام ابوحنیفہ رح کی کوئی شرط ایسی سخت نہیں اور ساتھ اسکے اُسنے روایت اقل قلیل گویا نادر رکھنا چاہیئے اسی سے معلوم کرنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ کی

قلت روایت باعث تشدد شروط نہیں ہے جیسا کہ اُن شروط کی چھان بین سے ظاہر ہو گا۔

پہلی شرط

صاحب سیرۃ النعمان اُسکو یوں لکھتے ہیں (ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ صرف وہ حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے کانوں سے سُنا ہو۔

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہانتک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے اُسوقت متعدد مستملی یعنے نائب جا بجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ دور والوں تک پہنچائیں بہت سے ایسے لوگ ہوتے جنکے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سُنکر حدیث روایت کرتے تھے)۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کے بیان سے صاحب سیرۃ النعمان کی کیا غرض ہے اگر یہ غرض ہے کہ امام ابو حنیفہ رہ نے صرف اُن حدیثوں کو روایت کیا جو اُنھوں نے خود زبان شیوخ سے اُن شیوخ کے الفاظ سُنے تھے اور جو مستملی سے سُنا تھا اُسکو بنا بر شرط مذکور کے روایت نہیں کیا لہذا اُن سے حدیث کی روایت کم ہوئی تو یہ بات محض خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم یہ آئیگا کہ امام ابو حنیفہ کو اُنکے شیوخ کی مجلس میں قرب بہت کم ہوا اور وہ پائین مجلس میں ہوا کرتے تھے اس سبب سے اُنھوں نے شیوخ کے الفاظ کم سُنے اور یہ بات خلاف ہو اُسکے جو صاحب سیرۃ النعمان حصہ اول میں امام ابو حنیفہ رہ کا اعزاز

اور اُنکی مقبولیت نہایت طول وبسط کے ساتھ لکھتے ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ امام
ابوحنیفہ نے صرف اُن شیوخ سے اخذ و تحمل کیا جنکو روایت حدیث میں یہ احتیاط تھی
تو یہ بات قطع نظر اسکے کہ امام ابوحنیفہ کے قلیل الحدیث ہونے کا باعث وجہ کان
اقرار ہے تتبع احوال امام ابوحنیفہ رح سے محض غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ امام صاحب
کی بیشتر روایت بلکہ تعلم کا مدار حماد کی شاگردی پر تھا چنانچہ آپ بھی حصہ اول کے متعدد مقام
میں اِس قسم کے مضامین لکھتے ہیں اور حماد کو تمامتر شاگردی ابراہیم نخعی کی تھی اور ابراہیم
کی مجلس کا یہی دستور تھا۔ حافظ ابن صلاح مقدمہ (جس سے صاحب سیرۃ النعمان بھی سند
لائے ہیں) میں لکھتے ہیں رویناعن الاعمش قال کنّا نجلس الی ابراهیم فاتسع الحلقة
فربما یحدث بالحدیث ولا یسمعه من تنحیٰ عنه فیسئل بعضهم بعضا ثم یروونه وما سمعوہ
منه ترجمہ اعمش[۱] سے مروی ہے کہ ہم لوگ ابراہیم نخعی کی مجلس میں رہتے تھے اور حلقۂ
درس وسیع ہوتا تھا تو بسا اوقات وہ حدیث بیان کرتے تھے تو دور کے لوگ نہیں سنتے
تھے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ لیتے تھے پھر وہ لوگ اُسکو روایت کرتے
تھے حالانکہ خود شیخ سے نہیں سُنا تھا۔ اور علامہ سخاوی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث
میں لکھتے ہیں رووا عن سلیمان بن مهران الاعمش الحافظ الحجة انه قال کنّا نقعد
للنخعی ابراهیم بن یزید احد فقهاء التابعین حین یحدث بیثه والحلقة متّسعة فربما
قد یبعد البعض ممن یحضر ولا یسمعه فیسئل ذلک البعید البعض القریب من الشیخ

---

[۱] اعمش کو صاحب سیرۃ النعمان نے امام ابوحنیفہ کا استاد لکھا ہے ۱۲ منہ

ثم كل من سمع من الشيخ اورفيقه ينقل كل ذلك عن الشيخ بلا واسطة ترجمہ لوگوں نے حافظ الحجۃ سلیمان بن مہران اعمش سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم لوگ ابراہیم نخعی تابعی، فقیہ کے پڑھانے کے وقت بیٹھے تھے اور حلقۂ درس وسیع ہوتا تھا تو بسا اوقات حاضرین میں سے کچھ لوگ دور پڑجاتے تھے تو دور والے نزدیک والے سے پوچھ لیتے تھے پھر دونوں یعنے جنھوں نے شیخ سے سُنا اور جنھوں نے شیخ کے پاس والے سے سنا سب شیخ ہی سے روایت کرتے تھے۔ جب امام کے اساتذہ اسکو جائز رکھتے تھے اور اُنکے یہاں یہ دستور تھا تو وہ بات کیونکر ٹھیک ہوئی کہ امام ابوحنیفہ رح نے ایسے لوگوں سے روایت نہیں اخذ کی جو کسی سے سُنکر روایت کرتے تھے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اس مقام میں امام الائمہ امام حسن بصری رض پر محض بیجا اور بے ادبانہ چوٹ کی ہے صفحہ ۱۵۹ میں لکھتے ہیں (امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوھریرۃ حالانکہ وہ ابوہریرہ رض سے کبھی نہیں ملے تھے یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کردیتا تھا)

میں کہتا ہوں کہ صاحب سیرۃ النعمان کی یہ غلط بیانی اور ابلہ فریبی ہے فتح المغیث صفحہ ۱۷۱ (جسکا صاحب سیرۃ النعمان حوالہ دیتے ہیں) کی عبارت یہ ہے روی ان الحسن البصری کان یقول حدثنا ابوھریرۃ جسکے معنی اسیقدر ہیں کہ یہ بات کہی گئی ہے کہ امام حسن بصری حدثنا ابوھریرہ کہتے تھے جسکو صاحب سیرۃ النعمان نے یہ بڑھایا کہ امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوھریرۃ کیوں جناب یہ جھوٹ

نہیں توکیا ہے۔ علاوہ صاحب فتح المغیث نے جو اسکا ضعف اور بطلان بیان کیا ہے اُسکو آپنے بالکل اوڑا ہی دیا علامہ سخاوی سنے وہ روایت مجہول طور پر نقل کرکے پھر اوسکو باطل کردیا ہے کما قال لکن یخدش فی دعوی کونه صرح بالتحدیث انه قیل لابی زرعة فیمن قال عنه حدثنا ابوهریرة قال یخطی یعنے اِس دعوے کو امام حسن بصری نے حدثنا ابوہریرہ کہا ہے توڑ دیتا ہے قول ابوزرعہ محدث کا اُنھوں سنے کہا کہ جو شخص امام حسن بصری کا یوں کہنا بیان کرتا ہے وہ خطا کرتا ہے۔ پھر علامہ سخاوی سنے چند اکابر کے اقوال اِس قسم کے نقل کرکے حاصل کلام یہ لکھا ہے فان حاصل هذا کله ان لم یصح عن الحسن التصریح بالتحدیث وذلک محمول من راویه علی الخطاء وغیره ترجمہ اِن سب اقوال کا حاصل یہ ہے کہ امام حسن بصری رض سے صحیح طور پر ثابت نہیں کہ اُنھوں نے حدثنا ابوہریرہ کہا یہ بعد کے راویوں کی خطا ہے۔ علاوہ اوسی فتح المغیث میں امام حسن بصری رح کو ابوہریرہ رض سے ملاقات ہونے نہونے میں اختلاف نہایت شد و مد سے لکھا ہے اُن سب مضامین کو اُڑا کر صاحب سیرۃ النعمان نے قطعی طور پر لکھدیا کہ متعدد روایتوں میں امام حسن بصری سنے حدثنا ابوہریرہ کہا ہے اور وہ ابوہریرہ سے کبھی نہیں ملے تھے اور فتح المغیث کا حوالہ دیدیا حالانکہ مجموع عبارت فتح المغیث کا منشا یہ نہیں ہے کیوں جناب یہ کون روش ہے مورخانہ یا محدثانہ یا مجتہدانہ

دوسری شرط

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ

سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کرلیں تو اُن اجزا سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے امام ابو حنیفہ رح نے اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ اصل میں اسقدر ہے کہ روایت کے لئے احادیث محفوظ ہونی چاہیئے حالانکہ اعتبار کے قابل حفظ سے زیادہ یہ ہے کہ شیخ سے حدیث سنکر اون روایات کو قلمبند کرلیا ہو اور اپنے نوشتہ کو یاد رکھتا ہو کیونکہ زبانی یاد رکھنے میں کم وبیش کا احتمال ہوسکتا ہے اور نوشتہ پاس رہنے میں اُسکا احتمال نہیں ہے چنانچہ جمہور محدثین کا یہی مذہب ہے کہ نوشتہ جسکے پاس ہے اور اُس نوشتہ کا راوی کو پورا خیال ہے کہ شیخ نے حدیث بیان کی تھی اور میں نے اُسکو پوری طرح لکھ لیا تھا۔ اور روایت کے وقت تک اسیطرح اوسکو یاد ہو تو وہ بے شبہ روایت کرسکتا ہے علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں واذا رأی المحدث سماعه فی کتابه بخطه او بخط من یثق به سواء الشیخ او غیره فلا یخلو اما ان یتذکره اولا فان تذکر وهو ادفع الاقسام جازت له روایة علی المعتمد ترجمہ اگر محدث پاوے اپنی کتاب میں اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یا ایسے شخص کا لکھا ہوا جسپر اوسکو اعتماد ہے عام اس سے کہ وہ شخص اُسکا شیخ ہو یا اور کوئی ہو تو اگر اُسکو یاد ہے تو بنا بر مذہب معتمد کے روایت اُسکو جائز ہے اور یہ عمدہ قسم ہے۔

بنا بر اصول درایت کے بھی زبانی یاد سے بدست خود لکھا ہوا اور پڑھا ہوا زیادہ قابل

اعتبار ہے ہاں اگر صرف لکھا ہوا اُسکے پاس نکلا اور اُسکو بالکل یاد نہیں ہے تو ایسی
صورت میں مذہب منصور محدثین کا بھی عدم جواز روایت ہے کذا فی فتح المغیث و المقدمۃ
للحافظ ابن الصلاح باقی رہا صاحب سیرۃ النعمان کا اس مسئلہ کو بدیں غرض لکھنا کہ چونکہ
امام ابو حنیفہ رح کو روایت میں یہ تشدد تھا لہذا اُنسے حدیث کی روایت کم ہے یہ بات
روایت اور درایت دونوں کے محض خلاف ہے صاحب سیرۃ النعمان خود لکھتے
ہیں کہ اس تشدد میں امام مالک بھی امام ابو حنیفہ رح کے موافق ہیں حالانکہ اُنسے روایت
بکثرت موجود ہے جیسا کہ گذرا پس معلوم ہوا کہ یہ شرط سبب قلت روایت نہیں
ہے علاوہ صاحب سیرۃ النعمان سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ اس تشدد و شرط سے آپ کی
کیا غرض ہے اگر یہ مراد ہے کہ چونکہ امام ابو حنیفہ رح کو روایت میں یہ تشدد تھا اسواسطے
اُنھوں نے صرف ایسے شیوخ سے اخذ کیا اور ایسی روایتیں اخذ کیں جو اُن شیوخ نے
بغیر احتیاج کتاب کے زبانی یاد رکھیں اور روایت کیں تو یہ مسلم ہم اُسکو ہے کہ امام صاحب
کے شیوخ بنا بر اس تشدد کے کم تھے اور یہ خلاف ہے اُسکے جو آپنے امام صاحب کے
شیوخ کی تعداد ۳۱۹ بلکہ چار ہزار کا بھی ایک قول لکھا ہے اگر امام صاحب نے ہر اُستاد
ایک ایک حدیث بھی روایت کرتے تو اُنکی روایت کی تعداد ۳۱۹ تو ہوتی حالانکہ صحیح
طور پر صاحب سیرۃ النعمان اس تعداد کی چوتھائی بھی روایت امام ابو حنیفہ سے ثابت
نہیں کر سکتے۔ اگر صاحب سیرۃ النعمان کی یہ مراد ہے کہ ہر چند امام صاحب نے کثرت سے
احادیث کا اخذ و تحمل شیوخ سے کیا تھا اور بہت حدیثیں اُنکو معلوم تھیں (جیسا کہ سیرۃ النعمان

کے متعدد مقام کا مضمون ہے) مگر چونکہ امام صاحب کو روایت میں تشدد تھا اسواسطے انھوں نے صرف وہ حدیثیں روایت کیں جو اونکو محفوظ تھیں اور جو محفوظ نہ تھیں اونکو روایت نکیا لہذا اون سے روایت کم ہوئی تو حاصل اسکا یہ ہوا کہ امام صاحب کا حافظہ کم تھا اسواسطے حدیثیں انکو کم یاد رہیں اسوجہ سے روایت انکی کم ہوئی پس نقصان حافظہ جس سے صاحب سیرۃ النعمان کو انکار تھا خود انھیں کی زبان سے صحیح ٹھیرا۔

میں اس مقام میں مثال کے طور پر بعض محدثین کے قوت حافظہ اور سیلان ذہن کی بعض حکایتیں لکھنی مناسب سمجھتا ہوں ع وبضدّہا تتبین الاشیاء۔

حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں امام بخاریؒ کا قصہ لکھتے ہیں اور بسند متصل امام ابو احمد بن عدی سے نقل کرتے ہیں سمعت عدۃ من المشائخ بغداد یقولون ان محمد بن اسمعیل البخاری قدم بغداد وسمع اصحاب الحدیث فاجتمعوا وارادوا امتحان حفظہ فعمدوا الی مائۃ حدیث فقلبوا متونہا واسانیدہا وجعلوا متن ھذا الاسناد لاسناد اٰخر واسناد ھذا المتن لمتن اٰخر ودفعوھا الی عشرۃ انفس لکل رجل عشرۃ احادیث وامروھم اذا حضروا المجلس ان یلقوا ذلک علی البخاری واخذوا علیہ الموعد للمجلس فحضروا وحضر جماعۃ من الغرباء من اھل خراسان وغیرھم ومن البغدادیین فلما اطمئن المجلس باھلہ انتدب رجل من العشرۃ فسألہ عن حدیث من تلک الاحادیث فقال البخاری لا اعرفہ فما زال یلقی علیہ واحدا بعد واحد حتی فرغ والبخاری یقول لا اعرفہ وکان العلماء ممن حضر المجلس یلتفت

بعضہم الی بعض و یقولون فہم الرجل ومن کان لم یدر القصۃ یقضی علی البخاری بالعجز والتقصیر وقلۃ الحفظ ثم انتدب رجل من العشرۃ ایضا فسأله عن حدیث من تلک الاحادیث المقلوبۃ فقال لا اعرفه فسأله عن اٰخر فقال لا اعرفه فلم یزل یلقی علیه واحد ابعد واحد حتی فرغ من عشرته والبخاری یقول لا اعرفه ثم انتدب الثالث والرابع الی تمام العشرۃ حتی فرغوا کلہم من القاء تلک الاحادیث المقلوبۃ والبخاری لا یزید ہم علی لا اعرفه فلما علم انہم قد فرغوا التفت الی الاول فقال اما حدیثک الاول فقلت کذا وصوابه کذا وحدیثک الثانی کذا وصوابه کذا والثالث والرابع علی الولاء حتی اتی علی تمام العشرۃ فرد کل متن الی اسناده وکل اسناد الی متنه وفعل بالاٰخرین مثل ذلک فاقر الناس له بالحفظ واذعنوا له بالفضل ترجمہ ابو احمد بن عدی نے کہا کہ مینے چند علماے بغداد سے سُنا وہ لوگ کہتے تھے کہ جب امام بخاری رح بغداد میں آئے اور محدثین کو خبر ہوئی تو وہ لوگ جمع ہوئے اور امام بخاریؒ کے حافظہ کا امتحان لینا چاہا تو سَو حدیثوں کے متن اور اسناد کو اولٹ پلٹ کر دیا اِس حدیث کی اسناد دوسری حدیث کے متن میں لگا دی اور اُسکی اسناد کو اُسکے متن میں لگا دیا اور اسیطرح سب حدیثوں کو بنا کر دس شخص کو دس دس حدیثیں سکھا دیں اور کہدیا کہ مجلس میں بخاری کے سامنے پیش کریں اور ایک دن مجلس کے لیئے مقرر کیا پھر اُسدن سب لوگ آئے اور خراسان وبغداد وغیرہ کے لوگوں کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی جب لوگ باطمینان بیٹھ چکے تو اُن دس آدمیوں میں سے ایک شخص بولا اور اُن اُلٹ پلٹ کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک حدیث امام بخاریؒ سے پوچھی اُنھوں نے جواب

دیا کہ ہم نہیں جانتے اسیطرح اُس نے اپنی دسوں حدیثیں پوچھیں اور بخاری یہی جواب دیتے گئے تو علماے حاضرین جلسہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور کہتے کہ یہ شخص سمجھگیا اور ناواقف لوگ کہنے لگے کہ انکو علم نہیں ہے انکو حدیثیں کم یاد ہیں پھر اُن دسؔ شخصوں میں سے دوسرا بولا اور اُسنے بھی ایک ایک کرکے اسیطرح اپنی حدیثیں پیش کیں اور بخاری اُسیطرح جواب دیتے گئے کہ میں نہیں جانتا پھر اسیطرح تیسرے اور چوتھے نے پوچھا غرض یکے بعد دیگرے دسوں نے اپنی اپنی دس دس حدیثیں پوچھیں اور وہی ایک جواب سبکا پاتے گئے کہ میں نہیں جانتا جب بخاری نے سمجھا کہ لوگ پوچھ چکے تو پہلے اول شخص کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ تو نے پہلے حدیث یوں پڑھی تھی یوں غلط ہو اور صحیح یوں ہو اور دوسری یوں پڑھی تھی یوں غلط ہو اور صحیح یوں ہی اسیطرح ترتیب ہر حدیث ہر ایک کو پہلے جسطرح اُسنے پڑھی تھی پڑھتے جاتے اور غلطی بتاکر پھر صحیح طور پر پڑھدیتے یہانتک کہ اُن سو حدیثوں میں ہر ایک کی اسناد اور متن کو ٹھیک کردیا تب لوگ اُنکے حافظ الحدیث ہونے کے مقر ہوئے اور اُن کے فضل کا سب کو یقین ہوا ـــ

اِس قصہ کو علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں اور علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں اور علامہ ابن خلکان وغیرہم نے بھی ذکر کیا ہے حافظ ابن حجر نے اِس قسم کے بہتیرے واقعات امام بخاری کے بسند مسلسل نقل کیئے ہیں وھکذا بہت سے علما نے ـ بعض قصے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے بھی بستان المحدثین

میں نقل کیئے ہیں صاحب سیرۃ النعمان اور اُنکے ہم خیال اِن روایتوں کو دیکھیں اور سمجھیں کہ علم حدیث میں صاحب پایہ وہ شخص ہوتا ہی جسکی یہ شان ہو نہ وہ جسکے مباحث علمیہ اُس قسم کے ہوں جو آپنے حصہ اول میں مناظرے نقل کیئے ہیں جنمیں سوائے معمولی عقلی باتوں کے کوئی ایسا مضمون نہیں ہے جو حدیث دانی اور حفظ واتقان اور کثرت روایت کی دلیل ہو۔

تیسری شرط

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث یہ مسئلہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں) میں کہتا ہوں کہ صاحب سیرۃ النعمان نے اسکی بحث میں عجب پریشان تقریر کی ہے عبداللہ بن مسعود کی نسبت اولاً لکھا ہے کہ اونکو روایت باللفظ پر اصرار تھا پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ (عبداللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنیٰ روایت کرتے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے او مثلہ او نحوہ او شبیہ بہ اس سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن مسعود بالمعنی بھی روایت کرتے تھے حالانکہ اس سے پہلے صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا یہ کیسا تعارض ہے۔ صاحب سیرۃ النعمان کی اول تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنیٰ نہیں جائز رکھتے تھے اور پھر خود صفحہ ۱۶۵ میں لکھا ہے (امام صاحب نے اُن حدیثوں کو قبول کیا لیکن یہ قید لگائی ہے کہ رواۃ حدیث فقیہ ہوں) پھر اسکے بعد لکھا ہے (امام صاحب نے اُن احادیث

کو بھی قبول کیا جنکے رُواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہوں) یہ دونوں قول صاحب سیرۃ النعمان
کا صریح کہنا ہے کہ امام صاحب نے بالمعنی روایت جائز رکھی اور قبول کی۔ علاوہ یہ سب
مسئلہ آپ نے اس غرض سے لکھے ہیں کہ انھیں تشدد شروط کے باعث امام صاحب
سے حدیث کی روایت کم ہوئی مگر جب آپ خود اسکے قائل ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے
بالمعنی روایت کو قبول کیا تو آپ کی زبان سے وہ سبب قلت روایت نہیں پایا گیا
یہ آپ فرمایئے کہ امام صاحب نے بالمعنی روایتوں کو قبول تو کیا مگر خود اُن حدیثوں کو
بالمعنیٰ روایت کرنا جائز نہیں رکھتے تھے تو البتہ آپ کا کلام صحیح ہو جائیگا مگر پھر وہی
احتمال لازم آئیگا جس سے بعض محدثین کے اس کلام کی تایید ہوتی ہے کہ امام صاحب
کے حافظہ میں نقصان تھا اُنکو الفاظ حدیث کے یاد نہیں رہتے تھے۔
قطع نظر اسکے کہ آپ نے اقرار کیا ہے کہ امام صاحب نے بالمعنیٰ روایت قبول کی یہ بات آپ
ہی کے طور پر درایۃً کیونکر صحیح ہوسکتی ہے کسی راوی کے حدیث بیان کرنے پر
امام صاحب کیونکر سمجھ لیتے کہ بالمعنیٰ روایت ہے یا باللفظ اگر یہ کہیئے کہ جو راوی روایت
بالمعنے کرتا تھا اُس سے امام ابوحنیفہ اخذ روایت نہیں کرتے تھے تو صریح غلط
ہے کیونکہ آپ خود لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح کے اُستاد الاُستاد روایت بالمعنی جائز
رکھتے تھے اور عبداللہ بن مسعود رض کے نسبت بھی آپ لکھتے ہیں کہ وہ کبھی بالمعنے
روایت کرتے تھے اور ان لوگوں سے امام صاحب نے اخذ کیا تو وہ بات کیونکر صحیح
ٹھہری کہ امام صاحب نے ایسے راویوں سے اخذ نہیں کیا پس صاحب سیرۃ النعمان کے کلام

کا مفاد صحیح یہی ٹھہرا کہ امام صاحب ضعیف الحافظہ تھے لہذا اُن سے روایت کم ہوئی
باقی رہی روایت باللفظ کی دلیل (نضر اللہ امرا الحدیث) جو آپنے لکھی ہے وہ وجوب
کی دلیل نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ اُسمیں صیغہ امر یا نہی لفظاً یا معنےً مذکور نہیں ہے صرف
دعاے خیر ہے جو مفید استحباب ہے نہ وجوب اور استحباب کے تو محدثین بھی قائل ہیں
علاوہ وجوب کیونکر ہوسکتا ہے قرآن میں ایک قصہ بعبارت مختلف موجود ہے جو
صریح مفید جواز روایت بالمعنے سے ہے وعلی ہذا القیاس کتب اصول میں اسکی بہت
دلیلیں مذکور ہیں -

صاحب سیرۃ النعمان نے اس مقام میں تعبیر احادیث میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی غلطی پکڑی ہے یہ کمال درجہ کی شوخ چشمی صاحب سیرۃ النعمان کی ہے اور
دلیل بین نافہمی اور ناواقفیت کی -

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت
سے روایت کی - ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصراہ
واجبلاہ - یعنے جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اُسکو عذاب
دیا جاتا ہے - کسی نے حضرت عائشہ رض سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان
کرتے تھے حضرت عائشہ رض نے کہا کہ میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں لیکن
اُنکو سہو ہوا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی اُسکے گھر والے اُسپر روتے تھے آنحضرت
نے سُنا تو فرمایا کہ اُسکے گھر والے رو رہے ہیں اُسپر قبر میں عذاب ہو رہا ہے -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیہ کا معذّب ہونا بطور ایک واقعہ کے
بیان کیا تھا راوی نے رونے کو اُسکا سبب قرار دیا) ۔
میں کہتا ہوں کہ اولاً ابن ماجہ میں اسطرح پر ہرگز مذکور نہیں صاحب سیرۃ النعمان نے
مضامین اپنے طور پر لکھکر ابن ماجہ کا حوالہ محض غلط دیدیا یہ قصہ اصل یوں ہے کہ
جب حضرت عمر فاروق رضہ نے زخم کاری (جس سے وہ شہید ہوئے) کھایا تھا
تو قبل اسکے کہ اُنکی وفات ہو صہیب رضہ جو اُنکے دوست تھے آئے اور حالت دیکھکر
چلا چلا کر رونے لگے اور وااخاہ واصاحباہ (ہائے بھائی ہائے دوست) کہنے لگے
حضرت عمر فاروق رضہ نے اُنکو کہا کہ تم مجھپر روتے ہو حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلّم نے فرمایا ہے کہ میت پر اُسکے گھر والوں کے بعض طرح پر رونے کے باعث
عذاب ہوتا ہے یہ قصہ کسی نے حضرت عائشہ رضہ سے ذکر کیا آپ نے سُنکر فرمایا کہ خدا
کی رحمت ہو عمر رضہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن پر اُسکے لوگوں
کے رونے کے باعث عذاب ہوگا البتہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کافر
پر عذاب اس سے بڑھتا ہے اور فرمایا کہ اس بات کو قرآن ہی سے سمجھ لو جو اللہ پاک نے
فرمایا ہے کہ ایک کے گناہ کا دوسرا ذمہ وار نہیں ہوتا۔ یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمر
اور حضرت عائشہ کے نسبت بھی منقول ہے۔ صحیح بخاری میں یہ قصہ اسی تفصیل سے
مروی ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضہ نے نفس حدیث سے انکار نہیں کیا
البتہ عموم سے انکار کیا اور کافروں کے حق میں مخصوص کیا حضرت عمر فاروق رضہ نے

بھی عام رونے کے نسبت یہ حدیث نہیں بیان کی تھی بلکہ بعض قسم کے رونے کی نسبت
کہا تھا یعنی اُس قسم کا رونا جو نوحہ ناجائز ہو چنانچہ انکی روایت میں بعض انکا موجود ہے
غالباً جس شخص نے حضرت عائشہ رضؓ سے آکر کہا تھا اُسنے بعض کی قید نہیں لگائی ہوگی
ورنہ وہ انکار نہ کرتیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کا یہ انکار بنا بر مفہوم آیہ (ایک کے گناہ کا دوسرا
ذمہ وار نہیں ہوتا) کے ہے اور حضرت عمر فاروقؓ والی حدیث اُس بنا پر ہے کہ انسان
کے گھر والوں کے عادات اور سیرت حسب تعلیم و تربیت صاحب خانہ کے ہوتی ہے
اسیواسطے اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا ہے قوا انفسکم و اھلیکم نارا یعنے بچاؤ اپنے
کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے اور حدیث میں وارد ہے کلکم راع و کلکم مسئول
عن رعیتہ یعنے ہر شخص تم میں کا راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا
جاویگا پس جس شخص نے اپنے گھر والوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کیا اور
شریعت کے احکام نہیں سکھائے اور نوحہ ناجائز سے منع نکیا تو اگر اُسکے گھر والے نوحہ
ناجائز کرینگے تو وہ شخص باعث نہ بجالانے حکم الٰہی کے اُس رونے پر ماخوذ ہوگا چنانچہ
امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں نہایت صراحت اور دلیل کے ساتھ اِس مسئلہ کو بیان
کیا ہے اور قول حضرت عائشہ اور حدیث حضرت عمر فاروقؓ دونوں کے محمل صحیح ٹھہرا دیئے ہیں
اور یہ بات خود حضرت عائشہ رضؓ کے قول سے نکلتی ہے کیونکہ آپنے اُس انکار میں
یوں فرمایا ہے واللہ ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المؤمن لیعذب
ببکاء اھلہ ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ

وقال حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخری یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مومن اپنے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب کیا جاویگا البتہ آنحضرت نے یہ فرمایا کہ کافر پر اسکے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب بڑھتا ہے اور اس بات کو قرآن ہی سے کہہ لو کہ ایک دوسرے کے گناہ کا ذمہ وار نہیں ہوسکتا۔

حضرت عائشہؓ کے کلام کا مطلب صاف ہے کہ مومن کی شان چونکہ اپنے گھر والوں کو نصیحت کرنی ہے لہذا وہ اُنکے نوحہ کے سبب معذب نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ بری الذمہ ہے اور کافر کی شان چونکہ اسکے خلاف ہے لہذا اُسکے گھر والوں کے نوحہ کے باعث عذاب کی زیادتی ہوگی پس جو مسلمان بھی اپنے لوگوں کو بُرے کام سے نصیحت نہیں کریگا وہ بھی بمقتضاے قوا انفسکم واھلیکم نارا بیشک ماخوذ ہوگا اسیوجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دوست صہیب کو اُسطرح رونے سے منع کیا جو واخاہ واصاحباہ چلا چلا کر کہتے اور روتے تھے یہ حضرت عمر فاروقؓ نے نہی عن المنکر کیا ورنہ صرف رونے سے جسمیں نوحہ نہو حضرت عمر فاروقؓ نے منع نہیں فرمایا چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خالد بن ولید کے گھر والوں کے نسبت فرمایا تھا دعھن یبکین علی ابی سلیمان مالم یکن نقع او لقلقۃ یعنے خالد بن ولید کے گھر والوں کو رونے دو جبتک سر پر خاک اڑاتا اور چلانا نہو صحیح بخاری اور اُسکے شروح فتح الباری عینی کرمانی میں نہایت تشریح کے ساتھ قول حضرت عائشہؓ اور

حدیث حضرت فاروق رضؓ دونوں کا اپنے اپنے موقع پر صحیح ہونا مذکور ہے تعجب ہے کہ صاحب سیرۃ النعمان نے باایں دعوے محدثیت واجتہاد ان کتابوں کو نہیں دیکھا اور اِس مسئلہ کو نہیں سمجھا۔

اِس بیان سے واضح ہوا کہ حضرت فاروق کی روایت بالمعنیٰ نہیں تھی اور نہ آپ نے اداے مطلب کی غلطی کی تھی۔

صاحب سیرۃ النعمان تو لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحؒ راوی فقیہ کی روایت بالمعنیٰ جائز رکھتے ہیں تو کیا آپ کے نزدیک حضرت فاروق رضؓ فقیہ نہ تھے عبداللہ بن مسعود جنکے نسبت امام ابوحنیفہ کا اقرار ہے کہ افقہ ناس تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو انکا حضرت فاروق رضؓ کے تفقہ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔

اِس مقام میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ روایت بالمعنیٰ اور فقہ راوی کا سبب ترجیح ہونا اُن احادیث میں ہوسکتا ہے جنمیں قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جن حدیثوں میں فعل اور تقریر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے اُسمیں روایت بالمعنیٰ اور فقہ راوی کی قید کے کوئی معنیٰ نہونگے جیسے نماز میں رفع الیدین کہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا اور اُسکی حکایت کی اسمیں روایت باللفظ کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔

اسی فقہ راوی کی قید پر امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحؒ کا مناظرہ بنایا گیا ہے جسکو صاحب سیرۃ النعمان نے حصہ اول میں بہت زور دیکر لکھا ہے اُسمیں رفع الیدین کرنے کی

روایت کو اسی فقہ راوی کے بنا پر ترجیح دیگئی ہے اور کہا گیا ہے کہ علقمہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے بڑھکر فقیہ ہے اور یہاں صاحب سیرۃ النعمان خود لکھتے ہیں کہ فقہ راوی کی قید امام ابوحنیفہ رح نے روایت بالمعنیٰ میں لگائی ہے حالانکہ رفع الیدین کی روایت (جو ایک فعل کے روایت کی حکایت ہی) میں روایت باللفظ اور بالمعنیٰ کی تفریق محض مہمل اور بے معنے ہی امام رازی نے اسیواسطے اُس مناظرہ کے حکایت کے سند سے قطع نظر کیا اور اُسکا مہمل اور لغو ہونا یوں بیان کر دیا کہ حسّی امور میں تفقہ کو کیا دخل ہے جبکو صاحب سیرۃ النعمان نے با ایں دعوے اجتہاد نہیں سمجھا چنانچہ صفحہ ۷۸ میں لکھتے ہیں (امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب شافعی میں نقل کیا ہے اور گو واقعہ کے صحت سے انکار نہیں کر سکے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسّی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہی) —

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے تو اِس قصہ کا غلط اور جعلی ہونا یوں کہدیا کہ یہ قصہ مہمل اور بے معنے ہی غرض یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح ایسے نہ تھے کہ ایسی مہمل بات کہتے اور امام اوزاعی ایسے نہ تھے کہ ایسی مہمل بات پر چُپ ہو جاتے آپنے امام رازی کے کلام کا مطلب نہیں سمجھا اِسواسطے یہ لکھدیا کہ امام رازی واقعہ کے صحت سے انکار نکر سکے — میں کہتا ہوں کہ ہر فقرے اس قصہ کے ایسے مہمل ہیں کہ تھوڑے شعور کا آدمی بھی اگر تامّل کریگا تو کہدیگا کہ یہ قصہ غلط اور مہمل ہے صاحب سیرۃ النعمان نے اِس حکایت کو بحوالہ فتح القدیر نقل کیا ہے لہٰذا میں فتح القدیر ہی سے اِس حکایت کا

ہر ہر فقرہ نقل کرکے بحث کرتا ہوں۔

پہلا فقرہ اِس حکایت کا یہ ہے کہ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ رضؓ سے کہا کہ عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے اِس فقرہ کو صاحب سیرۃ النعمان نے بھی صفحہ ۷۰ میں لکھا ہے امام اوزاعی کے اِس قول کا مطلب ہر عاقل یہی سمجھ سکتا ہے کہ اُسوقت کے علما حجاز (مکہ مدینہ) رفع یدین کرنے میں متفق تھے ورنہ امام اوزاعی عراق والوں کے رفع یدین نکرنے پر تعجب نکرتے اور انھیں کو اسکے نہ کرنے میں مخصوص نہ کہتے اور امام ابوحنیفہ بھی اِس تخصیص کو مان نہ لیتے بلکہ یوں کہتے کہ اہل عراق کی کیا تخصیص ہے حرمین میں بھی فلاں فلاں رفع یدین نہیں کرتے اس سے ظاہر ہے کہ اُسوقت کے علماے حرمین سب رفع یدین کے قائل تھے اور اُن میں یہ مسئلہ بلا اختلاف جاری تھا اور حرمین میں اُسوقت بڑے بڑے علما اولاد صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے امام جعفر صادق رضؓ (جنکے فضل و کمال اور عظمت شان کا صاحب سیرۃ النعمان کو بھی صفحہ ۴۵ میں اقرار ہے) بھی وہیں تھے کیوں جناب امام ابوحنیفہ رحؒ کے مقابلہ میں آپ کو امام جعفر صادقؓ کے نسبت یہ خیال نہیں آیا کہ اھل البیت ادری بما فیه امام ابوحنیفہ نے اسکے جواب میں امام اوزاعی سے یہ کہا لاجل انه لم یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فیه شیٔ یعنی باوجود اتفاق اہل حرمین کے ہم لوگ رفع یدین اسوجہ سے نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں ہے غرض امام ابوحنیفہ رح نے اہل حرمین سے اپنی
مخالفت کی وجہ کے بیان میں یہ دعویٰ کیا کہ رفع یدین کے بارہ میں رسول اللّٰہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں حالانکہ موقع یہ تھا کہ عبد اللہ بن مسعود والی روایت
امام ابوحنیفہ پیش کرتے کیونکہ عراق والوں کے رفع یدین نکرنے کی وجہ عبد اللہ بن مسعود
کی روایت کا ہونا ہے جیسا کہ کتب حنفیہ اور اسی مناظرہ کے پورے مضامین سے ثابت
ہے نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہونا عراق والوں کے رفع یدین
نہ کرنے کی وجہ تھی پس اگر قصہ صحیح مانا جاوے تو لازم یہ آئیگا کہ امام ابوحنیفہ رح نے امام
اوزاعی سے ایک بات غلط کہی جسکا بطلان پھر خود ہی کہدیا یعنی عبد اللہ بن مسعود والی
روایت پیش کی -

دوسرا فقرہ اس مناظرہ کا یہ نقل کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح نے جب یہ دعویٰ
کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کے بارہ میں کچھ ثابت نہیں تب
امام اوزاعی نے کہا کیف لم یصح وقد حدثنی الزہری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ الحدیث یعنے کیونکر تم کہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے رفع یدین کے بارہ میں کچھ ثابت نہیں حالانکہ زہری نے سالم سے روایت
کی اور انھوں نے اپنے والد عبد اللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین
کرتے تھے امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ رح کے دعوے کو یوں توڑا کہ حدیث صحیح مع
سند پڑھ دی کہ تم کہتے ہو کہ اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں حالانکہ یہ حدیث صحیح موجود ہے

امام ابوحنیفہؒ نے اسکے جواب میں اپنے دعوے (کچھ ثابت نہیں ہی) کو یوں ثابت کیا کہ عبداللہ بن مسعود والی روایت پڑھی حالانکہ اس سے اثبات دعوی تو درکنار ابطال دعوی ہوتا ہی کیونکہ دعوی امام ابوحنیفہ کا یہ تھا کہ کچھ ثابت نہیں حالانکہ رفع یدین کے حدیث کے ثبوت میں امام ابوحنیفہ رح نے کچھ کلام نہیں کیا بلکہ عبداللہ بن مسعود کے حدیث سے اسکا معارضہ کیا جسکے معنی یہ ہیں کہ ہرچند رفع یدین کی حدیث ثابت ہے مگر اسکے معارض موجود ہے اور اس معارض کو بسبب فقہ راوی کے ترجیح ہے اور یہ دعوی (کچھ ثابت نہیں) کی دلیل نہیں بلکہ اسکی مبطل ہے امام ابوحنیفہؒ کی شان سے نہایت بعید ہے کہ دعوے کچھ اور ہو اور دلیل کچھ اور۔

تیسرا فقرہ اس مناظرہ کا یہ نقل کیا گیا ہی کہ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ کے اس جواب پر یہ کہا احدثك عن الزهري عن سالم عن ابيه وتقول حدثني حماد عن ابراهيم صاحب سیرۃ النعمان نے اس قول امام اوزاعی کا صفحہ ۷۸ میں یہ ترجمہ کیا ہے (امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ میں تو زہری سالم عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اسکے مقابلہ میں حماد نخعی علقمہ کا نام لیتے ہیں)۔

میں کہتا ہوں کہ امام اوزاعی کے اس قول کا صریح مطلب یہی ہے کہ زہری اور سالم کے مقابلہ میں حماد اور ابراہیم نام لینے کے قابل نہیں ہیں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے کہنے پر استبعاد اور تعجب سے کہا کہ زہری اور سالم کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نام کیونکر لیا لفظ سبحان اللہ کلمہ تعجب کہنے کا اور کیا مفاد ہو سکتا ہے امام اوزاعی کے کلام کا صریح مطلب

یہی ہے کہ حماد وابراہیم کی روایت قابل استدلال نہیں ہے خصوصاً زہری اور سالم کے مقابلہ میں۔ اور یہ بات کتب اسماء الرجال میں طبقات رواۃ کے دیکھنے سے بھی معلوم ہو سکتی ہے حماد کے نسبت تقریب التہذیب میں یوں لکھا ہے حماد بن ابی سلیمان مسلم الاشعری مولاھم ابو اسمٰعیل الکوفی الفقیہ صدوق لہ اوھام من الخامسۃ یعنے حماد کوفہ کا فقیہ سچا تو ہے مگر وہمی ہے پانچویں طبقہ کا ہے۔ اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُسوقت کے محدثین اور فقہا کے اقوال حماد کے بارہ میں بہت نقل کیئے ہیں جنہیں سے بطور نمونہ کے میں یہاں نقل کرتا ہوں مسلم۔ سمعت حماد بن سلمۃ قال کنت اسأل حماد بن ابی سلیمان عن المسندات وکانوا یسئلونہ عن رایہ وکنت اذا جئت قال لاجاء اللہ بک یعنے حماد بن سلمہ نے کہا کہ میں حماد بن ابی سلیمان سے حدیث پوچھتا تھا اور لوگ اونکی راے پوچھتے تھے تو مجھکو دیکھکر گھبرا اٹھتے اور کہتے کہ خدا نہ لاوے تجکو وعن الاعمش حدثنی حماد بحدیث عن ابراھیم وکان غیر ثقۃ یعنی امام اعمش نے کہا کہ مجھسے حماد نے ایک حدیث ابراہیم کے روایت سے بیان کی اور وہ ثقہ نہ تھا وقال الاعمش مرۃ ثنا حماد وما کنا نصدقہ یعنے ایک دفعہ امام اعمش[1] نے یوں کہا کہ حماد نے مجھسے حدیث بیان کی اور ہم لوگ اُسکو سچا نہ جانتے تھے۔ اور زہری کا حال تقریب التہذیب میں یوں لکھا ہے محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ

[1] صاحب سیرۃ النعمان نے امام اعمش کو امام ابو حنیفہ رح کے اساتذہ میں لکھا ہے یہ بھی تعجب کی بات ہو کہ جسکو امام ابو حنیفہ استاد جھوٹا کہیں اُسکو خود زہری جیسے شخص پر ترجیح دیں ❖

ابن الحارث بن زهرة بن کلاب القرشی الزهری وکنیتہ ابوبکر الفقیہ الحافظ متفق علی جلالتہ واتقانہ وھو من رؤس الطبقۃ الرابعۃ یعنے محمد بن مسلم زہری قرشی ہیں یہ فقیہ اور حافظ الحدیث ہیں انکی عظمت شان اور اتقان پر اتفاق ہے یہ چوتھے طبقے والوں کے سرداروں میں سے ہیں۔

لوگ دونوں (حماد و زہری) کے مراتب ملاحظہ کریں حماد پانچویں طبقہ کے طبقہ اور زہری چوتھے طبقہ والوں کے سردار اور اُنکی صفت صرف فقیہ لکھی ہے اور اُنکی صفت فقیہ اور حافظ (یعنے محدث) لکھی ہے اُنکی حالت یہ کہ وہم بہت ہوتا تھا اور اکابر ائمہ نے اُنپر جرح کی اور غیر ثقہ کہا اور انکی حالت یہ ہے کہ انکی عظمت شان اور انکی روایت کی قوت متفق علیہ ہے اسیواسطے امام اوزاعی نے کہا کہ زہری کے مقابلہ میں حماد کا کیا نام لیتے ہو یعنی حماد راوی مجروح وہی ہے اُسکی روایت مقبول نہیں خصوصاً زہری جیسے شخص کے مقابلہ میں۔ اِس موقع میں امام ابوحنیفہ کا یہ جواب دینا کہ حماد زہری سے افقہ ہیں گویا سوال از آسمان و جواب از ریسمان ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فقاہت سبب ترجیح تو جب ہے کہ عدالت وضبط میں مساوات ہو اور جب عدالت وضبط ہی میں نقصان ہو تو فقاہت سبب ترجیح کیونکہ ہو سکتی ہے امام اوزاعی تو نقصان راوی کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ بجای دفع نقصان کے سبب ترجیح بیان کرتے ہیں علاوہ یہیں کہتا ہوں کہ فقاہت سے امام ابوحنیفہ رح کی کیا مراد ہے اگر مسائل فرعیہ کا زیادہ جاننا مراد ہے تو قطع نظر اسکے

کہ یہ بات محض بے دلیل اور اثبات دعویٰ بہ دعویٰ ہے بادی الرائے میں
بھی محض مہمل ہے کیونکہ یہ اس قسم کی بات ہی کہ دو شخصوں نے کوئی خبر کہی تو ایک
خبر کو بدیں نوع ترجیح دیجاوے کہ اسکے راوی کو دس مسئلے معلوم ہیں اور دوسری خبر
کے راوی کو آٹھ مسئلے معلوم ہیں کوئی عاقل ایسا کہہ سکتا ہی بھلا مسئلہ دانی کی کمی
بیشی کو کسی خبر کے صحت و عدم صحت میں کیا دخل ہے چنانچہ اصول فقہ حنفیہ
میں بھی فقہ راوی سبب ترجیح بایں معنی نہیں لکھا ہے اور اگر امام ابوحنیفہ کی یہ مراد
ہے کہ حماد زہری سے زیادہ سمجھدار تھے یعنی مطالب حدیث کے زہری سے زیادہ
سمجھتے تھے جیسا کہ اصول حنفیہ میں ہے کہ فقہ راوی سبب ترجیح اسوجہ سے ہی
کہ سمجھی ہوئی بات زیادہ یاد رہتی ہے تو حماد کو بمقابلہ زہری افقہ کہنا محض غلط
روایت و درایت دونوں کے خلاف ہی۔ زہری مدینہ طیبہ کے عالم اہل زبان
قریشی اولاد صحابہ و اہل بیت علماء حجاز اہل لسان کے شاگرد خود فقیہ و محدث
دونوں اور حماد کوفہ کے رہنے والے ابراہیم نخعی کوفی کے شاگرد نہ خود حجازی
نہ حجازی کے شاگرد مجرد فقیہ بھلا کوئی عاقل کہسکتا ہے کہ حماد حدیث کے مطالب
زہری سے زیادہ سمجھتے تھے ایسی لغو و مہمل باتوں کے نسبت امام ابوحنیفہ رح کے طرف
کرنی مدح نہیں بلکہ ہجو ملیح اور نادان کی دوستی ہے۔

اب ابراہیم نخعی و سالم کا مقابلہ سنیئے حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابراہیم نخعی
کا حال لکھا ہے ابراهيم بن يزيد النخعي احد الاعلام يرسل عن جماعة وقد رأى زيد

ابن ارقم وغیرہ ولم یصح له سماع من صحابی وقد قال فیه الشعبی ذالك الذی یروی
عن مسروق ولم یسمع منه شیئا قلت وکان لا یحکم العربیة ربما لحن ونقموا علیه
قوله لم یکن ابو هریرة فقیها وقال یونس بن بکیر عن الاعمش قال ما رأیت احدا روی
لحدیث لم یسمعه من ابراهیم قلت استقر الامر علی ان ابراهیم حجة وانه اذا ارسل
عن ابن مسعود وغیرہ فلیس ذالك بحجة ترجمہ ابراہیم نخعی ایک بڑے شخص
ہیں ایک جماعت سے مرسل طور پر روایت کرتے ہیں اُنھوں نے زید بن
ارقم وغیرہ کو دیکھا تھا اور کسی صحابی سے سماع اُنکا ثابت نہیں اور اُنکے بارہ میں
امام شعبی نے کہا ہے کہ یہ مسروق سے روایت کرتا ہے حالانکہ مسروق سے
اسنے کچھ سُنا نہیں ہے حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی عربیت اچھی نہ تھی
بلشتر عبارت میں غلطی کرتے تھے اور لوگوں نے اُنکے اُس قول پر اعتراض کیا
ہے کہ ابو ہریرہ فقیہ نہ تھے اور یونس بن بکیر نے امام اعمش سے روایت کی ہے کہ
اُنھوں نے کہا کہ مینے ایسا کسی کو نہ دیکھا جو بغیر سنے ہوئے روایت کرنے والا
ابراہیم سے زیادہ ہو۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں بات یہ ٹھہری ہے کہ ابراہیم حجت
تو ہیں مگر جب ابن مسعود وغیرہ سے روایت کریں تو وہ ٹھیک نہیں۔ اور سالم
کا حال تقریب التہذیب میں یوں مذکور ہے سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب
القرشی العدوی ابو عمر او ابو عبد اللہ المدنی احد الفقهاء السبعة وکان ثبتا عابدا
فاضلا کان یشبه بابیه فی الهدی والسمت من کبار الثالثة یعنی سالم عبد اللہ کے

بیٹے عمر فاروق کے پوتے فقہاے سبعہ (فقہاے ناموران مدینہ) میں سے ایک
ہیں ثقہ عابد فاضل تھے طریقہ اور سیرت میں اپنے باپ کے مشابہ تھے تیسرے
طبقہ والوں میں بڑے درجہ کے ہیں۔
اور خلاصہ تذہیب التہذیب میں ہے سالم بن عبد اللہ بن عمر العدوی المدنی
الفقیہ احد السبعۃ عن ابیہ وابی ہریرۃ ورافع بن خدیج وعائشۃ قال ابن اسحٰق
اصح الاسانید کلہا الزہری عن سالم عن ابیہ وقال مالک کان یلبس الثوب بدرہمین
وعن نافع کان ابن عمر یقبل سالما ویقول شیخ یقبل شیخا ۔ یعنے سالم عبد اللہ
ابن عمرؓ کے بیٹے عدوی مدینہ کے فقیہ فقہاے سبعہ میں سے ایک ہیں اپنے
والد اور ابوہریرہ اور رافع بن خدیج اور حضرت عائشہؓ کے شاگرد ہیں ابن اسحٰق
نے کہا کہ ساری سندوں سے بڑھکر صحیح زہری کی سند ہے سالم سے اور انکی اپنے
باپ سے امام مالکؒ کہتے ہیں کہ سالم دو درم کا کپڑا پہنتے تھے اور نافع سے مروی ہے
کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سالم کا بوسہ لیتے اور کہتے کہ بوڑھا بوڑھے (یعنی باعتبار
فضل کے) کا بوسہ لیتا ہے ۔
بھلا جو شخص آغوش عاطفت میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے تربیت یافتہ ہو اور
حضرت عبد اللہ بن عمر کا سرفراز بیٹا ہو عمر فاروق کا پوتا ہو جسکے گھر سے شریعت
محمدی کی ترویج ہوئی ہو جسکا علم و فضل اُسوقت کے علماے مدینہ میں مسلّم ہو
جسکا فضل اقران تابعین میں مانا ہوا ہو اُسکے نسبت کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کوفہ

کا رہنے والا (جس سے حدیث کی روایت مرفوعاً کم حجاز عرب کا رہنے والا نہیں عربیت اُسکی اچھی نہیں) مطالب حدیث کے زیادہ سمجھتا ہے خاصکر ایسے امر (نماز میں رفع الیدین) کے نسبت جسمیں تفقہ کو کچھ دخل نہیں یہ کیسی ناحق پسندی اور وانشکاف غلط بیانی ہے ایسی باتوں کی نسبت امام ابوحنیفہ کے طرف کرنی مدح نہیں بلکہ سراسر قدح اور وہی نادان کی دوستی کا نتیجہ ہے علاوہ دو شخصوں کے فضل وکمال کا موازنہ تو وہ شخص کرسکتا ہے جسنے دونوں کی صحبت اُٹھائی ہوا اور دونوں کے علم وطباعی کے جانچ کا اسکو موقع ملا ہو جیسے امام محمد کہ ایک زمانہ تک امام ابوحنیفہ رح کے صحبت میں رہے اور اُنسے پڑھا پھر بعد اُنکے امام مالک رح کی شاگردی کی اور اُنسے مستفید ہوئے اُنھوں سے دونوں کے علم وفضل کا موازنہ کیا اور امام شافعی رح کے مناظرہ میں صاف کہدیا کہ امام مالک قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وغیرہ کا علم امام ابوحنیفہ رح سے زیادہ رکھتے تھے جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان کے مقبولہ کتاب سے ہم اوپر ثابت کرچکے خلاف اسکے امام ابوحنیفہ رح کہ اُنھوں نے زہری اور سالم یا ابراہیم نخعی اور علقمہ کی صحبت نہیں اُٹھائی اور نہ اُن لوگوں کے فضل وکمال کے جانچ کا اُنکو موقع ملا اور نہ کوئی ایسی صورت ہوئی جس سے وہ اُن لوگوں کے قدر علم وتفقہ کا پتہ لگا سکتے ایسی حالت میں امام ابوحنیفہ کا موازنہ کرنا الغواور محض اپنے وہم وخیال کی پیروی نہیں تو کیا ہے میرا حسن ظن اس سے آبی ہے کہ امام ابوحنیفہ رح نے ایسا کہا ہو علاوہ ان سب باتوں کے سارے اہل اصول نے سبب

ترجیح احدے الروایتین یہ لکھی ہے کہ ایک طرف راوی فقیہ ہو اور ایک طرف غیر فقیہ نہ یہ کہ دونوں طرف راوی فقیہ ہوں مگر ایک طرف کا راوی افقہ ہو چنانچہ صاحب سیرۃ النعمان نے خود بھی یہی لکھا ہے۔

علاوہ یہ بھی اصول کا مسئلہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے کیونکہ نفی سہوا ور عدم العلم پر محمول ہو سکتی ہے اور اثبات کا کوئی محمل صحیح نہیں ہے پس زہری کے روایت میں فقہ راوی و علو سند و اثبات تین وجہ ترجیح موجود ہے اور حماد کے روایت میں کوئی سبب ترجیح نہیں راوی کا افقہ ہونا یہ اگر مان بھی لیا جاوے تو سبب ترجیح نہیں ہے اور اگر ہو تو یہ ایک وجہ تین سبب کا مقابلہ نہیں کر سکتی ان اصول درایت کے موافق یہ حکایت محض لغو ٹھہرتی ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ ؒ نے زہری و سالم کے فقاہت کا انکار نہیں کیا اور کیونکر کرتے ان لوگوں کے جلالت شان پر تو اتفاق تھا پس امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے مناظرہ کا قصہ قطع نظر روایت کے اصول درایت کے رو سے بھی محض غلط و مہمل ٹھہرا۔

صاحب سیرۃ النعمان اصول درایت پر بہت زور دیتے ہیں مگر اس قصہ کے تصحیح میں تعصب مذہب نے انکی آنکھیں بند کر دیں یا یہ کہئے کہ صاحب سیرۃ النعمان مغز سخن ہی کو نہ پہونچے اور مضامین قصہ کی خرابی کو انکی عقل نہ پہونچ سکی ورنہ اسکے کیا معنی کہ حافظ خطیب بغدادی کے بسند مسلسل روایت (جو امام ابوحنیفہ رحہ کے طلب علم کے نسبت ہی) میں قرینۂ عقلی محض غلط لگا کر صاحب سیرۃ النعمان

سے انکار کر دیا جسکی غلطی ہم اوپر بیان کر چکے اور اس مناظرہ کی روایت جسکی سند کا کہیں پتہ نہیں شاگردان امام ابوحنیفہ یا متقدمین حنفیہ سے کہیں اسکا ذکر نہیں کیا اور نہ اس مضمون کی حدیث موقع استدلال میں لائے مضامین اسکے محض خلاف عقل اور مہمل ایسے قصہ کی صاحب سیرۃ النعمان تصحیح کریں ایسے بے سروپا قصہ کی توثیق کرنی اور اس سے استدلال کرنا اسی کا نام آپ نے طرز مجتہدانہ اور محدثانہ رکھا ہے ۔

صاحب سیرۃ النعمان نے بعد نقل اس حکایت کے امام محمد کا یہ قول نقل کیا ہے (ہماری روایت عبد اللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے اور فریق مخالف کی عبد اللہ ابن عمر رضہ تک۔ اسلیئے بحث کا تمامتر مدار اسپر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کس کی روایت ترجیح کے قابل ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ عدم رفع کے بارہ میں تو یہ بات صحیح ہے کہ دار مدار اسکا عبد اللہ ابن مسعود پر ہے چنانچہ مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی بھی تعلیق الممجد (جس سے صاحب سیرۃ النعمان نے اخذ کیا ہے) میں لکھتے ہیں (و اما الترک جماعۃ قلیلۃ مع عدم صحۃ الطرق عنہم الا عن ابن مسعود ۔ یعنے ترک رفع یدین کے راوی تھوڑے سے لوگ ہیں جنمیں سوائے عبد اللہ بن مسعود کے کسی کی روایت بسند صحیح نہیں ہے ۔

باقی رہی رفع یدین کرنے کی روایت اسکا مدار صرف عبد اللہ بن عمر پر کہنا محض

غلط اور ناواقفیت کی دلیل ہے صرف صحاح ستہ میں رفع یدین کرنے کی روایت اتنے صحابہ سے موجود ہے ۔ عبد اللہ بن عمرؓ ۔ مالکؓ بن حویرث ابو حمیدؓ ساعدی جنھوں نے باتفاق دس صحابی کے رفع یدین کے روایت کی جنمیں سے ابو قتادہؓ رضو صحابی بھی تھے ۔ وائل بن حجر علی کرم اللہ وجہہ ۔ ابو ہریرہؓ رضہ ۔ عبد اللہؓ بن زبیر جابرؓ بن عبد اللہ ۔ انسؓ رضہ ۔ اور علاوہ صحاح ستہ کے اور کتب حدیث میں توجم غفیر صحابہ سے رفع یدین کرنے کی روایت منقول ہے مولوی عبد الحیؒ صاحب لکھنوی بھی تعلیق الممجد میں اسکا اقرار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں رواۃ الرفع من الصحابۃ جم غفیر ترجمہ رفع یدین کے راوی صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت ہے ۔ اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں ذکر البخاری ایضًا انہ رواہ سبعۃ عشر رجلا من الصحابۃ و ذکر الحاکم و ابو القاسم بن مندہ ممن رواہ العشرۃ المبشرۃ و ذکر شیخنا ابو الفضل انہ تتبع من رواہ من الصحابۃ فبلغوا خمسین رجلا ترجمہ بخاری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ رفع یدین کی حدیث سترہ صحابی نے روایت کی ہے اور حاکم و ابو القاسم نے کہا کہ رفع یدین کے راویوں میں سے عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور استاد ابو الفضل محدث نے ذکر کیا کہ میں نے رفع یدین کے راویوں کو ڈھونڈا تو پچاس صحابی اسکے راوی ملے اور حافظ زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں عبد اللہ بن مسعود والی روایت کا جواب یوں لکھا ہے ۔ قال صاحب التنقیح قال الفقیہ ابو بکر بن اسحق هذه علة لا يساوي سماعها لان رفع اليدين قد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم

ثم عن الخلفاء الراشدين ثم عن الصحابة والتابعين وليس فی نسیان ابن مسعود رضہ
لذلك ما یستغرب قد نسی ابن مسعود من القرآن ما لم یختلف المسلمون فیه بعد وهی
المعوذتان ونسی ما اتفق العلماء علی نسخه کالتطبیق ونسی کیف قیام الاثنین خلف الامام
ونسی ما لم یختلف العلماء فیه ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی الصبح یوم النحر فی
وقتها ونسی کیفیة جمع النبی صلی الله علیه وسلم بعرفة ونسی ما لم یختلف العلماء
فیه من وضع المرفق والساعد علی الارض فی السجود ونسی کیف کان یقرء النبی
صلی الله علیه وسلم وما خلق الذکر والانثی واذا جاز علی ابن مسعود ان ینسی
مثل هذا فی الصلوة کیف لا یجوز مثله فی رفع الیدین - ترجمہ کہا صاحب
تنقیح نے کہ ابوبکر بن اسحاق فقیہ نے کہا کہ یہ سبب (عبداللہ بن مسعود کا رفع یدین
نہ کرنا) حدیث رفع یدین کے مساوی نہیں ہوسکتا کیونکہ رفع یدین کرنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین سے پھر صحابہ وتابعین سے صحیح طور پر ثابت
ہوا اور عبداللہ بن مسعود کا اسکو بھول جانا کچھ تعجب کی بات نہیں ہی کیونکہ
عبداللہ بن مسعود قرآن میں معوذتین کا ہونا بھول گئے جسپر سارے مسلمانوں کا
اتفاق ہے اسیطرح نماز میں تطبیق کا منسوخ ہونا عبداللہ بن مسعود بھول گئے جسپر
سارے علماء کا اتفاق ہے اور عبداللہ بن مسعود اس مسئلہ کو بھول گئے کہ دو شخص
امام کے پیچھے کسطرح کھڑا ہوا اور عبداللہ بن مسعود اسکو بھول گئے جو بلا اختلاف
علما ہے کہ آنحضرتؐ نے یوم النحر کو صبح کی نماز وقت پر پڑھی اور عبداللہ بن مسعود

اُسکو بھول گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں کسطرح جمع کیا تھا
اور عبد اللہ بن مسعود سجدے میں زمین پر ہاتھ رکھنا بھول گئے جو بلا اختلاف
علما ہے اور عبد اللہ بن مسعود اُسکو بھول گئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
آیہ وما خلق الذکر والانثی کسطرح پڑھی تھی جب عبد اللہ بن مسعود نماز میں ان
باتوں کو بھول گئے تو رفع یدین کا بھول جانا کیوں نہیں ہوسکتا اور آثار امام محمدؒ
میں ہے اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ بن قیس والاسود بن یزید
قال کنا عند ابن مسعود اذا حضرت الصلوۃ فقام یصلی فقمنا خلفه فاقام احدنا عن
یمینه والاٰخر عن یسارہ ثم قام بیننا فلما فرغ قال ھٰکذا اصنعوا اذا کنتم ثلثۃ وکان
اذا رکع طبق وصلّے بغیر اذان ولا اقامۃ قال یعنی اقامۃ الناس حولنا قال
محمد ولسنا ناخذ بقول ابن مسعود فی الثلاثۃ الخ امام محمد کہتے ہیں کہ مجھسے امام ابو حنیفہؒ
نے روایت کی حماد سے اور انھوں نے ابراھیم سے اور انھوں نے علقمہ
اور اسود بن یزید سے کہ کہا ان دونوں نے کہ تھے ہم لوگ عبد اللہ بن مسعود کے
پاس جب نماز کا وقت ہوا اور وہ نماز کو کھڑے ہوئے تو ہم لوگ پیچھے کھڑے
ہو لئے اسپر انھوں نے ہم لوگوں میں سے ایک شخص کو داہنے اپنے کھڑا کیا اور
دوسرے کو بائیں پھر بیچ میں خود کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور بعد نماز کے کہا کہ جب
تم لوگ تین شخص ہوا کرو تو نماز میں اسیطرح کیا کرو۔ اور عبد اللہ بن مسعود نے رکوع میں
تطبیق کیا اور بغیر اذان و تکبیر کے نماز پڑھی اور کہا کہ محلہ والوں کی تکبیر کافی ہے

امام محمد یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ یہ تینوں مسئلے عبداللہ بن مسعود کے نہیں مانتے۔
آثار امام محمد کی یہ روایت بھی مناظرہ امام اوزاعی کے قصہ کی تکذیب کرتی ہے
کیونکہ یہاں بھی حماد۔ ابراہیم۔ علقمہ۔ عبداللہ بن مسعود ہیں اور امام ابوحنیفہ رح نے باعث
مخالفت اور روایتوں کے اسکو نہیں مانا۔ ان تینوں مسئلہ سے زیادہ رفع یدین کے
رواۃ ہیں کما مر۔ اور علامہ زرقانی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں هو متواتر ذکر البخاری فی
جزء رفع الیدین انه رواه سبعة عشر رجلا من الصحابة و ذکر الحاکم و ابن منده ممن
رواه العشرة المبشرة و ذکر شیخنا ابو الفضل الحافظ انه تتبع من رواه من الصحابة فبلغوا
خمسین رجلا ترجمہ رفع یدین کی حدیث متواتر ہے بخاری نے جزء رفع یدین
میں ذکر کیا کہ رفع یدین کی حدیث سترہ اصحابی نے روایت کی ہے اور حاکم و ابن
مندہ نے ذکر کیا کہ رفع یدین کے روایت کرنے والوں میں عشرہ مبشرہ ہیں اور شیخ
ابو الفضل محدث نے ذکر کیا کہ انھوں نے رفع یدین کے راویوں کو ڈھونڈھا
تو پچاس صحابی اسکے راوی ٹھہرے۔
اور حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں لکھتے ہیں قال الشافعی
روی الرفع جمع من الصحابة لعله لم یرو قط حدیث بعدد اکثر منهم وقال ابن المنذر
لم یختلف اهل العلم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه وقال البخاری
فی جزء رفع الیدین روی الرفع سبعة عشر نفسا من الصحابة و سرد البیهقی فی السنن
و فی الخلافیات اسماء من روی الرفع عن نحو من ثلاثین صحابیا وقال سمعت الحاکم

يقول اتفق على رواية هٰذه السنة العشرة المشهود لهم بالجنة ومن بعدهم من اكابر الصحابة قال البيهقي وهو كما قال وروى ابن عساكر في تاريخه من طريق ابي سلمة الاعرج قال ادركت الناس كلهم يرفع يديه عند كل خفض ورفع وقال البخاري في الجزء المشهور قال الحسن وحميد بن هلال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفعون ايديهم ولم يستثن احدا منهم قال البخاري ولم يثبت عن احد من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم انه لم يرفع يديه ترجمہ امام شافعی نے کہا کہ رفع یدین کی حدیث جماعت صحابہ نے روایت کی شائد کسی حدیث کے راوی کی تعداد اس سے زیادہ نہوگی اور ابن منذر نے کہا کہ اہل علم کو اسمیں اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے اور امام بخاری نے جزء رفع یدین میں کہا کہ رفع یدین کی حدیث سترہ صحابی نے روایت کی اور بیہقی نے سنن اور خلافیات میں رفع یدین کے راویوں کے نام گنے ہیں کوئی تیس صحابی ہیں اور کہا کہ میں نے حاکم کو کہتے سُنا کہ رفع یدین کے روایت میں عشرہ مبشرہ اور بڑے بڑے صحابہ متفق ہیں بیہقی کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابو سلمہ اعرج کے سند سے روایت کی کہ میں نے سب لوگوں کو رفع یدین کرتے پایا۔ امام بخاری نے جزء مشہور میں کہا کہ حسن بصری اور حمید بن ہلال نے کہا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے اور کسی کو مستثنےٰ نہیں کیا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ

کوئی صحابی رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ اور علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں اکابر علماء کے اقوال اس بارہ میں نقل کیئے ہیں از انجملہ ایک یہ ہو لانعلم سنة اتفق علی روایتہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخلفاء الاربعة ثم العشرة المبشرة فمن بعدہم من اکابر الائمة علی تفرقہم فی البلاد والشاسعة غیر ھذہ السنة یعنے سوائے رفع الیدین کے کوئی سنت ایسی نہیں معلوم ہوتی جسکے روایت پر خلفای راشدین اور عشرہ مبشرہ پھر انکے بعد کے بڑے بڑے ائمہ متفق ہوئے ہوں۔

اور عینی حنفی نے بھی تین ۳۰ صحابی سے رفع یدین کے حدیث کے مروی ہونے کا اقرار کیا ہے۔ صاحب سیرۃ النعمان اگر ان کتابوں کو بھی جو متداول ہیں دیکھتے تو ایسی بات نہ کہتے کہ رفع یدین کے حدیث کا مدار صرف عبداللہ بن عمر ہے صاحب سیرۃ النعمان نے باین نا واقفیت بڑی جرأت کی کہ ان مباحث حدیثیہ میں قدم رکھا مگر یہ بھی بات ہی کہ کسی موقع سخن میں بولنے کی جرأت دو ہی شخص کو ہوتی ہی یا صاحب کمال ہو یا ایسا شخص ہو جو حسن و قبح کلام سے نابلد ہو۔

اس تحقیق و بیان سے روایت بالمعنیٰ اور فقہ راوی کے قید کے متعلق باتیں خوب واضح ہو گئیں اور اس بنا پر مناظرہ امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کا قصہ جو صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا تھا باطل و غلط ثابت ہو گیا میںنے اس حکایت کے سند سے اسی وجہ سے بحث نہیں کی کہ جب مضمون ہی اس حکایت کے لغو اور مہمل ہونے پر دلالت کرتا ہے تو سند سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہی اور یہ

بھی بات تھی کہ سند کے متعلق بحثیں بہت ہو چکی ہیں۔

روایت بالمعنی کے متعلق صاحب سیرۃ النعمان نے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور غلطی اپنے زعم میں پکڑی ہے آپ لکھتے ہیں (اسیطرح غزوۂ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا ھل وجدتم ما فعل ربکم حقا لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں ارشاد ہوا کہ جو میں نے کہا ان لوگوں نے سن لیا لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہ رض کے سامنے بیان کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتھم حق یعنے ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی وہ حق ہے دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کسقدر فرق ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صاحب سیرۃ النعمان کی کمال ناواقفیت اور کتب حدیث سے نابلد ہونے کی دلیل ہے آپ لکھتے ہیں کہ غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے حالانکہ نہ یوں روایت ہے اور نہ یہ عام روایت ہے صحیحین وغیرہ میں یہ روایت ابوطلحہ صحابی سے اس طور پر مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قلب بدر پر کھڑے ہو کر کفار کے نام لے لے کر یوں پکارا اے فلانے اور اے فلانے کیوں اب تمھاری آرزو ہوتی ہے یا نہیں کہ اللہ و رسول کی تابعداری کرتے ہم لوگوں نے تو اپنے رب کا وعدہ ٹھیک پایا تم لوگوں نے اپنے رب کا وعدہ ٹھیک

پایا یا نہیں حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مینے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بیجان والے جسموں
سے باتیں کرتے ہیں آنحضرت نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں محمدؐ
کی جان ہے تم لوگ میری یہ بات اُن لوگوں سے زیادہ نہیں سنتے چنانچہ
صحیح بخاری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلته فشدّ
علیها رحلها ثم مشی اصحابه وقالوا ما نری ینطلق الّا لبعض حاجته حتی قام علی شفة
الرکی فجعل ینادیهم باسمائهم واسماء آبائهم یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان
ایسرکم انکم اطعتم الله ورسوله فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم
ما وعد ربکم حقا قال فقال عمر یا رسول الله ما تکلم من اجساد لا ارواح لها فقال
النبی صلی الله علیه وسلم والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول
منهم حضرت عائشہؓ کا اسپر انکار اُسی بنا پر تھا جس بنا پر حضرت عمرؓ نے اُسوقت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ مُردوں سے بات کرتے ہیں
یعنے قرآن میں یہ مضمون ہونا کہ تم مردوں کو نہیں سُنا سکتے چنانچہ حضرت عائشہؓ
نے اُسوقت قرآن کی آیت بھی پڑھی تھی اور چونکہ اجلّہ صحابہ اِس واقعہ بدر کے
راوی تھے اور غالب یہی ہے کہ حضرت عائشہ اُس موقع پر آنحضرت کے
ساتھ نہ تھیں کیونکہ وہاں آپ ڈیرہ سے اونٹنی پر سوار ہوکر گئی تھیں اور صحابہ ساتھ
تھے لہذا حضرت عائشہ نے آیۂ قرآنی کی بنا پر مضمون روایت کی یوں تاویل کی کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں کہا ہوگا بلکہ یوں کہا ہوگا مگر یہ تاویل نہ تھی

نہیں ہے کیونکہ صرف ایک لفظ کا پھیر پھار ہوتا تو ہو سکتا تھا اُس روایت میں تو یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سرداروں کا نام لے لے کر پکارا پس تاویل اسکی وہی ہو سکتی ہے جو امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں قتادہ سے نقل کی ہے قال قتادة احیاهم الله حتی اسمعهم قوله توبیخا وتصغیرا ونقمة وحسرة وندما۔ یعنے قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کفار مقتولین کو ایسا شعور دیدیا جس سے وہ رسول اللہؐ کی بات سُن سکے اور اس سے مقصود توبیخ اور تذلیل وعذاب وحسرت وندامت دینا اُنکو تھا۔

—— حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس روایت کی بحث میں لکھتے ہیں والجواب عن الآیة انه لا یسمعهم وهم موتی ولکن الله احیاهم حتی سمعوا کما قال قتادة ولم ینفرد عمر ولا ابنه بحکایة ذلک بل وافقهما ابو طلحة کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود مثله باسناد صحیح ومن حدیث عبد الله بن سیدان نحوه وفیه قالوا یا رسول الله وهل یسمعون قال یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون وفی حدیث ابن مسعود ولکنهم الیوم لا یجیبون ترجمہ جواب آیۃ (انک لا تسمع الموتیٰ) کا یہ ہے کہ وہ لوگ مردہ ہو کر نہیں سُن سکتے لیکن اللہ نے اُسوقت اُنکو زندہ کیا ایسا کہ اُنھوں نے سُن لیا جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے اور اس روایت میں صرف حضرت عمر اور اُنکے بیٹے راوی نہیں ہیں بلکہ ابو طلحہ بھی اُنکے موافق ہیں جیسا کہ اوپر گذرا اور طبرانی کی روایت میں عبد اللہ بن مسعود سے بھی اسی مضمون کی حدیث ہے اور عبد اللہ بن سیدان سے بھی یوں ہی مروی ہے

اور اسمیں یوں ہے کہ لوگوں نے آنحضرت سے عرض کی کہ یا رسول اللہ وہ لوگ سنتے ہیں آپنے فرمایا ہاں سنتے ہیں جسطرح تم سنتے ہو مگر جواب نہیں دیتے اور عبد اللہ ابن مسعود کی حدیث میں یوں ہے کہ لیکن وہ لوگ اسوقت جواب نہیں دیتے ۔ لیجئے جناب نعمانی صاحب جسکو آپنے عام روایت کہا تھا وہ حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ سے تو مروی ہی ہے عبد اللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے جنکو آپ کہتے ہیں کہ روایت باللفظ پر اُنکو اصرار تھا ۔

اس بیان و تشریح سے واضح ہوا کہ صاحب سیرۃ النعمان نے قلیب بدر کی روایت کی نسبت جو کچھ کہا ہے وہ ناواقفیت اور علم حدیث سے بے بہرہ ہونے کے باعث ہے یہ بہت بڑی دلیری انھوں نے کی کہ کوچۂ حدیث سے نابلد ہو کر اِس میدان میں قدم رکھا اور آپنے مورخ ۔ محدث ۔ مجتہد ہونے کا دعوی کیا ۔

اِسکے بعد صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابو حنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیئے) میں کہتا ہوں قطع نظر اسکے کہ امام ابو حنیفہؒ کا فن حدیث میں اصول قائم کرنا ثابت ہو یا نہیں یا خلاف اسکے ثابت ہے اولاً یہ دیکھنا چاہیئے کہ صاحب سیرۃ النعمان نے درایت کے اصول کہاں سے اخذ کیئے ہیں اور خود اِن اصول کو کسقدر سمجھا ہی دعویٰ تو آپنے یہ کیا کہ امام ابو حنیفہ نے یہ اصول قائم کیئے ہیں مگر امام ابو حنیفہؒ یا اُنکے شاگردوں کی کتاب میں آپ کو اسکا پتہ نہ ملا آخر محدثین ہی کی ذلہ برداری کی اور ابن الجوزی محدثؒ کا قول محدث سخاوی کی کتاب سے

آپ کو ملا مگر باینہمہ آپنے ابن الجوزی کے کلام کا مطلب نہیں سمجھا۔ درایت کے معنے آپ لکھتے ہیں (درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اُسپر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ باقتضاے طبیعت انسانی تو درایت کے وہی وسیع معنے ہیں جسکی بناپر نیچری لوگ مروڑی مرغی حلال کہتے ہیں صاحب سیرۃ النعمان نے باقتضاے ملازمت علیگڈھ کالج یہ بات لکھی ہے نیچری لوگوں کا یہ اصول ہے کہ جو حدیث نیچر یعنی طبیعت انسانی کے اقتضا کے خلاف ہو وہ قابل تسلیم نہیں ہو اسی وجہ سے وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ کے پیدا ہونا نہیں مانتے اور معجزات کا انکار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ابن الجوزی نے جو حدیث موضوع کی ایک علامت یہ لکھی ہے کہ مضمون اُس حدیث کا عقل کے خلاف ہو اسکے معنی یہ ہیں کہ مومن کی عقل شریعت محمدی میں ایسی بات ہونے سے ابا کرتی ہو جیسے شارع کا جھوٹ بولنا جسمیں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ہو یا اُس روایت میں ایسی باتیں ہوں جو شرعًا یا بداہۃً باطل ہیں جیسے اجسام کا قدیم ہونا یا صانع کی نفی ایسی روایتوں کو موضوع کہنا اسپر موقوف نہیں کہ رواۃ انکی دیکھی جائیں چنانچہ اُسنے کتاب فتح المغیث (جہاں سے صاحب سیرۃ النعمان نے ابن الجوزی کا قول نقل کیا ہی) میں یوں لکھا ہے والرکۃ فی المعنی کان یکون مخالفا للعقل ضرورۃ او استدلالا ولا یقبل

تاویلہ بحال نحو الاخبار عن الجمع بین الضدین وعن نفی الصانع وقدم الاجسام وما اشبہ
ذلک لانہ لایجوز ان یرد الشرع بما ینافی مقتضی العقل قال ابن الجوزی الخ **ترجمہ** اور حدیث
کے موضوع ہونے کی شناخت ایک یہ ہے کہ معنی ٹھیک نہوں جیسے معنی کا بداہتہً یا ازروی
دلیل کے خلاف عقل ہونا جسمیں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی ہو جیسے دو مخالف باتوں کے اکٹھا
ہونے کی خبر یا صانع کی نفی یا اجسام کا قدیم ہونا اور جو اس قسم کی بات ہے کیونکہ شریعت میں
خلاف عقل باتیں نہیں وارد ہوسکتیں —

میں اسکی بعض مثالیں دیتا ہوں جس سے یہ مسئلہ خوب واضح ہو جائیگا حنفیوں نے قراءۃ
فاتحہ خلف الامام کے بارہ میں بعض صحابہ کا قول یہ پیش کیا ہے کہ جو کوئی امام کے پیچھے
پڑھے اُسکے منھ میں نجاست یا آگ بھر دی جاوے امام بخاری نے جزء قراءت میں
اس روایت کو علاوہ اصول روایت کے اصول درایت پر بھی جانچا ہی یعنے صحابہ کا
امام کے پیچھے پڑھنا ثابت ہے جسمیں کلام نہیں اور اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے تو کلمات زشت منھ سے نکالتے بلکہ یوں
کہا کرتے کہ خدا رحم کرے فلاں پر ایسا نہیں ہے بلکہ یوں ہے ایسی حالت میں خلاف عقل ہے یہ
بات کہ باوجود علم اس بات کے کہ صحابہ رسول اللہ قراءۃ خلف الامام کرتے ہیں کوئی
صحابی کیونکر اسطرح کہیگا کہ اُنکے منھ میں نجاست بھر دیجائے یا آگ بھر دی جائے دوسرے ایسے
کلمات خلاف تہذیب صحابہ کے منھ سے نکلنے محض خلاف عقل ہے —

— رفع الیدین کی روایت جسکے بڑے بڑے صحابہ خلفاے راشدین عشرہ مبشرہ

راوی ہیں اسکے خلاف عبداللہ بن مسعود کے فعل کی صحت ماننی اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین نہیں کیا اصول درایت کے خلاف ہے کیونکہ اتنے صحابہ کی تکذیب لازم آتی ہے اتنے اور ایسے ایسے صحابہ کا جھوٹ بولنا مومن کی عقل جائز نہیں رکھتی پس ضرور ہوا کہ عدم رفع کی روایت صحیح نہیں جیسا کہ سنن ترمذی میں عبداللہ بن مبارک کا قول مذکور ہے ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ یعنے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اول بار رفع یدین کیا ثابت نہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود کے فعل کی محدثین نے تاویل کردی کہ وہ بھول گئے جیسے اور چند مسائل بھول گئے جن پر اتفاق ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعود کا بھول جانا کوئی خلاف عقل نہیں اور اتنے اور ایسے ایسے صحابہ کا جھوٹ بولنا مومن کی عقل کے خلاف ہے اور اسی اصول درایت پر محدثین کا وہ اصول بنی ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے کیونکہ نفی سہو پر محمول ہو سکتی ہے اور اثبات کا سوائے کذب کے کوئی محمل نہیں بن سکتا امام ابو حنیفہؒ اگر اصول درایت کے قائم کرتے تو نفی کو اثبات پر مقدم نکرتے یعنے عبداللہ بن مسعود والی روایت (جسمیں نفی ہے) کو عبداللہ بن عمر و دیگر صحابہ کی روایت (جسمیں اثبات ہے) پر مقدم نکرتے اور بات بھی یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ نے کوئی اصول قائم نہیں کئے۔ اصول کے بانی اول امام شافعیؒ ہیں اور اُنکے اصول قائم کرنے کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں انھوں نے اصول اور قاعدے منضبط نہیں پائے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے نشأ الشافعی فی اوائل ظهور

المذهبين و ترتيب اصولهما و فروعهما فنظر فى صنيع الاوائل فوجد فيه امورا
كبحت عنانه عن الجريان فى طريقهم وقد ذكرها فى اوائل كتاب الام منها انه وجدهم
ياخذون بالمرسل والمنقطع فيدخل فيهما الخلل فانه اذا جمع طرق الحديث يظهر
انه كم من مرسل لا اصل له وكم من مرسل يخالف مسندا فقرر ان لا ياخذ بالمرسل
الا عند وجود شروط وهى مذكورة فى كتب الاصول ومنها انه لم يكن قواعد الجمع
بين المختلفات مضبوطة عندهم فكان يتطرق بذلك خلل فى مجتهداتهم فوضع
لها اصولا ودوّنها فى كتاب وهذا اول تدوين كان فى اصول الفقه ﴿ترجمہ﴾ امام شافعیؒ
اُسوقت پیدا ہوئے کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب شروع شروع ظاہر ہوا تھا اور
اونکے اصولؔ و فروع کی ترتیب ہو چلی تھی امام شافعی نے اُن لوگوں کے طریقہ اجتہاد
اور اُنکے ڈھنگ بغور دیکھے تو اُسمیں ایسی باتیں پائیں جسنے اُنکی باگ اُس ڈھنگ پر
چلنے سے روکدی جسکو اُنھوں نے اپنی کتاب اُم کے شروع میں ذکر کر دیا ہے جسمیں سے
ایک بات یہ ہی کہ وہ لوگ مرسل اور منقطع سب کو لیتے تھے اور اِس سبب سے اُنکے مذہب
میں خرابی پڑتی تھی کیونکہ اگر حدیث کی سندیں جمع کیجائیں تو کتنی مرسل ایسی ہوگی جسکی
کچھ اصل نہیں اور کتنی مرسل ایسی ہے جو مسند کے مخالف ہے تو امام شافعی نے یہ بات
ٹھیرائی کہ بغیر پائے جانے شروط کے مرسل روایتیں نہ لینگے وہ شروط کتب اصول میں
مذکور ہیں و از انجملہ یہ ہے کہ اُن لوگوں میں جمع بین المختلفات کے قواعد ٹھیک نہ تھے

ــہ لفظ اصول سے مراد یہاں دلائل ہیں نہ اصول فقہ کے قواعد ورنہ امام شافعی کا وضع اصول اور اُنکی کتاب کا
اس فن میں اول تصنیف ہونا صحیح نہیں ہو سکتا اور دونوں باتیں اس عبارت میں موجود ہیں ۱۲ منہ

اسلیے اُنکے مجتہدات میں خرابیاں ہوتی تھیں۔ لہذا امام شافعیؒ نے اسکے اصول مقرر کیے اور ایک کتاب میں اُن اصول کو جمع کر دیا۔ پہلے پہل اصول فقہ میں یہی کتاب تصنیف ہوئی۔

حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت سے چند باتیں ثابت ہوئیں ۱۔ امام شافعیؒ کا طریقۂ اجتہاد امام ابوحنیفہ میں غور کرنا اور اسمیں خرابی پانی ۲۔ امام ابوحنیفہؒ کا مرسل اور منقطع ہر قسم کی حدیث لینا اور اُسپر اجتہاد کرنا جس سے وہ باطل ٹھہرا کہ امام ابوحنیفہؒ نے شروط روایت میں شدّت کی اسوجہ سے اُنکی روایت کم ہوئی بھلا جو شخص مرسل بے اصل اور منقطع کو نہیں چھوڑتا اُسکو قبول روایت میں کیا شدّت اور احتیاط ہو گی ۳۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں دو مختلف روایتوں میں تطبیق کے قواعد کا منضبط نہونا ۴۔ اصول مقرر کرنا اور اس فن میں کتاب لکھنی یہ اولاً امام شافعی نے کیا ہی جس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کام نہیں کیا۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں اصول فقہ کے بیان میں لکھتے ہیں وکان اول من کتب فیہ الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ املی فیہ رسالتہ المشہورۃ یعنے سب سے پہلے فن اصول میں امام شافعی نے کتاب لکھی اسمیں رسالہ خاص اُنکا ہے جو مشہور ہے۔ اور علامہ ابن خلکان نے بذیل ذکر امام شافعی لکھا ہے والشافعی اول من تکلم فی اصول الفقہ وھو الذی استنبطہ یعنے سب سے پہلے اصول فقہ میں امام شافعیؒ نے کلام کیا اور انھیں نے اُسکو نکالا۔

ان عبارات کتب مسلّمہ سے صریح ثابت ہی کہ صاحب سیرۃ النعمان کا یہ قول کہ امام ابو حنیفہؒ نے اصول قائم کیئے محض غلط ہے اِس فن میں سب سے پہلے کلام کرنے والے اور اصول استنباط کرنے والے اور اسمیں کتاب تصنیف کرنے والے امام شافعی ہیں صاحب سیرۃ النعمان نے علامہ ابن خلدون کے صریح کلام سے آنکھیں بند کریں اور ایک ضمنی قول (جسکا ہرگز وہ مطلب نہیں ہے) کا حوالہ دیدیا کہ امام ابو حنیفہ نے اصول قائم کیئے حالانکہ حاشا اُسمیں یہ نہیں ہے ورنہ علامہ ابن خلدون کا کلام متعارض ٹھہریگا ہینے وہاں پر کی عبارت پوری اوپر نقل کردی ہے جس سے لوگ صاحب سیرۃ النعمان کے بیان کا وزن کرسکتے ہیں۔

صاحب سیرۃ النعمان نے جو محدثین کے نسبت لکھا ہے کہ اُنکو درایت سے غرض نہ تھی یہ محض غلط ہے ان اصول کا آپکو سوائے کتب محدثین کے اور کہیں پتہ بھی نہیں ملسکتا اور نہ ملا اور اُنہیں کو آپ کہتے ہیں کہ اس سے غرض نہ تھی ہینے امام بخاری کی تقریر بجواب دلائل حنفیہ اوپر نقل کردی ہے جس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری درایت و روایت دونوں اصول کا لحاظ رکھتے تھے بلکہ حنفیہ نے اسکا خلاف کیا شائد آپ اُسکو اصول درایت سمجھے ہونگے جو امام ابو حنیفہ نے بسبب اسکے کہ اُنکی یہاں جمع بین المختلفات کے قاعدے منضبط نہ تھے (جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ میں مذکور ہے) لہذا جہاں امام ابو حنیفہؒ نے مختلف روایتیں دیکھیں وہاں بیدھڑک کہدیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور تطبیق و توفیق اور محامل صحیحہ اُن مختلفات کے (جو طریقہ محدثین کا ہی) نہیں ٹھہرائے

جیساکہ ابھی روایت رفع یدین کے بحث میں گذرا۔

صاحب سیرۃ النعمان نے درایت کے جو وسیع معنے لکھے ہیں کہ شریعت کی جو بات خلاف عقل آپ کے ہو وہ صحیح نہیں جیساکہ تلک الغرانیق العلیٰ او معجزہ ردالشمس والی روایت کو آپنے خلاف عقل ٹھہراکر انکار کردیا ہے اور محض غلط یہ بات لکھی ہے کہ امام صاحب کے اصول کے موافق قاضی عیاض اور بیہقی نے اس روایت کا انکار کیا ہے۔ ان لوگوں نے ہرگز بنا بر مجرد درایت کے اس روایت کا انکار نہیں کیا ہی بلکہ نقصان سند کے یہ لوگ قائل ہوئے ہیں چنانچہ فتح الباری میں منقول ہے وقد تجرأ ابوبکر بن العربی کعادتہ فقال ذکر الطبری فی ذلک روایات کثیرۃ باطلۃ لا اصل لھا وھو اطلاق مردود علیہ وکذا قول عیاض ھذا الحدیث لم یخرجہ احد من اھل الصحۃ ولا رواہ ثقۃ بسند سلیم متصل مع ضعف نقلتہ واضطراب روایاتہ وانقطاع اسنادہ ترجمہ ابوبکر بن عربی نے اپنی عادت کے موافق دلیری کی ہے اور کہا ہے کہ طبری نے اس بارہ میں بہت روایتیں ذکر کیں جنکی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کہنا ابوبکر کا قابل تسلیم نہیں ہے اور ایسا ہی قول قاضی عیاض کا کہ یہ حدیث کسی اہل صحت نے روایت نہیں کی اور نہ کسی ثقہ نے ٹھیک سند متصل سے روایت کی ناقلین اسکے ضعیف ہیں اور روایتیں مضطرب اور سند منقطع۔

یہ قول قاضی عیاض کا صاف کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں نے اس روایت کا انکار اسی اعتبار سے نہیں کیا کہ خلاف عقل ہے بلکہ باعتبار ضعف رواۃ واضطراب روایات

وانقطاع سند کے ان لوگوں نے اس روایت کا انکار کیا یہ صاحب سیرۃ النعمان کی صریح اور واشگاف غلط بیانی ہے۔ باقی رہی اس روایت (تلک الغرانیق العلی) کی تحقیق یہ مضمون یعنے شیطان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قراۃ میں خلط کر دینا یہ تو قرآن کے آیۃ ہی سے نکلتا ہے۔ سورۂ حج کی یہ آیۃ ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ اٰیاتہ اسی آیۃ کے شان نزول کی وہ روایت ہے جسکے تحقیقی معنے یہ ہیں کہ آنحضرت صلعم مجمع میں سورۂ والنجم پڑہتے تھے دو آیتوں کے درمیان میں جو آپ ترتیل کرتے یعنے ٹھہرتے تھے شیطان نے اُنہیں دو جملے (تلک الغرانیق العلی وان شفاعتہن لترتجی) آنحضرت کے لہجے میں اسطرح پڑہ دیئے کہ آنحضرت کو خبر نہیں ہوئی اور لوگوں کے خیال میں آیا کہ آنحضرت ہی نے یہ کلمے فرمائے۔ اسی معنی کی تقریر حافظ ابن حجر نے اس روایۃ کے شرح میں کی ہے چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے کان صلی اللہ علیہ وسلم یرتل القرآن فارتصدہ الشیطان فی سکتۃ من السکتات و نطق بتلک الکلمات محاکیا نغمۃ بحیث سمعہ من دنا الیہ فظنہا من قولہ واشاعہا ترجمہ رسول اللہ صلعم قرآن پڑہنے میں ترتیل (دو آیتوں کے بیچ میں ٹھہرنا) کیا کرتے تھے شیطان تاک میں رہا اور ایک سکتہ کے اندر اُسنے یہ کلمے آنحضرت کے لہجہ میں کہدیئے قریب والوں نے سُنا اور اُنکے خیال میں آیا کہ آنحضرت ہی نے یہ کلمے فرمائے اور اونہوں نے اسکو شائع کیا۔ صاحب سیرۃ النعمان نے کتب سے ناواقف

ہونے کے باعث یہ لکھدیا کہ (تلک الغرانیق العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے) یہ پرلے سرے کی ناواقفیت صاحب سیرۃ النعمان کی ہے اسپر تعجب نہیں جرئت تو آپ سے کہ ایسی ناواقفیت کے ساتھ یہ دلیری ہے۔

دوسری روایت معجزہ رد الشمس کی اسکے بنسبت صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ اصول درایت کے خلاف ہے جسکے معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت صلعم کے دعا سے آفتاب کا پھر آنا خلاف عقل ہے لہذا یہ روایت صحیح نہیں اور اسی بنا پر آپنے علمائے مصححین پر طعن کیئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو نیچریہ کا اصول ہے کہ معراج نبوی صلعم نزول فرشتہ معجزات کو خلاف عقل ٹھہرا کر وہ لوگ انکار کرتے ہیں حاشا وکلا کہ امام ابوحنیفہ کا یہ اصول ہو معاذ اللہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ سارے معجزات غلط ہو جاویں صاحب سیرۃ النعمان رئیس نیچریہ کے ملازم ہیں لہذا اونہوں نے بغرض ابطال معجزات اس روایت کو بنا بر اصول درایت کے غیر صحیح ٹھہرایا ہے ابن الجوزی وغیرہ نے جو اس روایت پر کلام کیا ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ عقل کے خلاف ہے بلکہ باعتبار ضعف روات اور نقصان سند کے جسکو حافظ سیوطی وغیرہ نے رفع کر دیا ہے علاوہ معجزات میں تو اصول درایت یعنی عقل کے موافق ہونے کا اعتبار ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ معجزہ اوسی کو کہتے ہیں جسمیں خرق عادت اور خلاف عقل امر ہو جیسے آنحضرت صلعم کے انگلی

کے اشارہ سے ماہتاب کا دو ٹکڑہ ہو جانا یا ایک پیالہ پانی سے تمام لشکر کا سیراب ہونا یا پہاڑ و درخت کا آپ سے باتیں کرنا اور آپ کا فرمان بجالانا یا آنحضرت کا آسمان پر اس سرعت کے ساتھ جانا اور تمام دوزخ و بہشت کی سیر کرنی اور پھر پلٹ آنا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی کا اژدہا بنجانا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بحکم خدا مردے زندہ کرنا اور مٹی کی چڑیا بنانی اور اوسکا زندہ ہو جانا جسپر قرآن شاہد ہے اور مومنین کو اوسپر ایمان ہے یہ سب نیچریوں کے نزدیک خلاف عقل ہے صاحب سیرۃ النعمان کا معجزات کے نسبت اپنی عقل کو معیار ٹھہرانا نیچری اور معجزات سے منکر ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرا اصول درایت صاحب سیرۃ النعمان یہ لکھتے ہیں (۲ جو واقعات لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں اونکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی یہ اصول اس بناپر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں کو اکثر پیش آیا کرتے تھے اُنکے متعلق جو کچھ آنحضرت کا ارشاد تھا اوسکی ضرورت تمام لوگوں سے متعلق تھی اسلیئے صرف ایک آدہ شخص تک اوس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ حاصل اس عبارت کا اسیقدر ہے کہ امور کثیرۃ الوقوع میں خبر احاد غیر معتبر ہوگی اور خبر احاد کی تعریف صاحب سیرۃ النعمان کے کلام (ایک آدہ شخص تک روایت کا محدود رہنا) سے یہ نکلتی ہے کہ جس حدیث کا راوی صرف ایک شخص

ہو وہ خبر احاد ہے یہ تعریف خبر احاد کی محدثین اور فقہا سب کے خلاف ہے اہل اصول
کے نزدیک حدیث کی دو قسمیں ہیں متواتر اور احاد متواتر وہ ہے جسکے رواۃ ابتدا سے
انتہا تک یعنی ہر طبقہ میں اس کثرت سے ہوں کہ عقل اون سب کا باتفاق جھوٹ بولنا
ابا کرتی ہو اور احاد وہ ہے جسمیں یہ بات نہو یعنی جسکے رواۃ ہر طبقہ میں اس کثرت سے
نہوں پھر اُسکی تین قسمیں ہیں۔ غریب۔ عزیز۔ مشہور۔ مسلم الثبوت میں ہے متواتر
ان کان خبر جماعۃ یفید العلم بنفسہ لا بالقرائن اللازمۃ من احوال المخبر والمخبر
عنہ ولذلک یتفاوت عدد التواتر والا فخبر الواحد فان رواہ واحد فھو الغریب
وان رواہ اثنان فھو العزیز ولیس شرطا للصحیح وان رواہ ثلثۃ او اکثر وقیل الی الثلثۃ
عزیزا فما زاد فمشہور یعنی جو حدیث ایک جماعۃ کی خبر ہو جو قطع نظر دوسرے قرائن کے
خود مفید یقین ہے وہ متواتر ہے اور جو روایت ایسی نہیں وہ خبر واحد ہے اوس خبر واحد
کا راوی اگر ایک ہو تو وہ حدیث غریب کہلاتی ہے اور اگر اوسکے دو راوی ہوں تو عزیز
کہلاتی ہے اور اوسکے راوی تین یا تین سے زیادہ ہوں تو وہ حدیث مشہور کہلاتی ہے
اور بعضوں نے تین راوی تک کے حدیث کو عزیز کہا ہے۔ یہی مضمون فتح المغیث اور
مقدمہ ابن صلاح میں بھی ہے صاحب سیرۃ النعمان نے جو خبر احاد کی یہ تعریف کی کہ
جسکا ایک راوی ہو یہ کتب اصول کے عدم ممارست کی دلیل ہے یہ تو حدیث
غریب کی تعریف ہے جو احاد کی ایک قسم ہے اور ایسی حدیث کو جو ہر طرح سے غریب
ہے محدثین ضعاف میں شمار کرتے ہیں اور اوسکو شاذ و منکر میں داخل

کرتے ہیں یہ تو محدثین ہی کا اصول ہے صاحب سیرۃ النعمان خواہ مخواہ کہدیتے
ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ اصول نکالا اگر سچے ہیں تو صحیح سند سے اسکو ثابت کریں
کہ یہ اصول امام ابوحنیفہ کا قائم کیا ہوا ہے امام ابوحنیفہ کا حال تو ہم حجۃ اللہ البالغہ
سے اوپر نقل کر چکے کہ وہ مراسیل اور منقطع کو لیکر اجتہاد کرتے تھے انہیں باتوں کو
دیکھکر امام شافعی نے اونکا طریقہ ناپسند کیا اور اصول قائم کیئے ۔

صاحب سیرۃ النعمان صفحہ ۱۷۲ میں تقدیم قیاس علی احاد الاخبار کے مسئلہ میں لکھتے ہیں
(ہمنے بہت جد وجہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا صریح قول ملسکے لیکن
نہ ملسکا) کوئی انسے پوچھے کہ اس مسئلہ میں آپ کو امام صاحب کا کوئی صریح قول نہ ملسکا تو
کیا اصول حدیث کے بارہ میں آپ کو امام صاحب کا کوئی قول صریح ملسکا جو آپنے
حتمی طور پر لکھدیا کہ امام ابوحنیفہ نے یہ اصول قائم کیئے ہرگز نہیں جناب کسی کتاب
سے آپ اسکی سند نہیں پیش کر سکتے بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سے چونکہ حدیث
کی روایت ندار وہی اِلّا ماشاء اللہ اور یہ فن حدیث میں بیجائگی اور نقصان اجتہاد کی
دلیل تھی لہذا النعمانی لوگ اسکو یوں مٹانا چاہتے ہیں کہ امام صاحب کو شروط روایت
میں شدت و احتیاط تھی بھلا امام صاحب کو روایت میں تو یہ احتیاط تھی اور
قیاس میں احتیاط نہیں ہوئی کہ شریعت محمدی میں بلا تامل اپنی عقل پر اعتماد کر کے
حکم لگا دیا اور علی ہذا یہ کہنا کہ امام صاحب نے یہ اصول قائم کیئے یہ سب بے سر و پا باتیں
ہیں جنکا کوئی ثبوت نہیں اور علماء مقبولین کی تصریحات اسکے خلاف موجود ہے

جیسا کہ ہمنے اقوال علما اوپر نقل کیئے ہیں۔

قیاس کو خبر احاد پر مقدم کرنا جو حنفی مذہب کے کتابوں میں شائع ہے جسکے ناقل امام غزالی۔ امام رازی جیسے لوگ ہیں اسکو تو آپ یوں اڑا دیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے صراحۃً ثابت نہیں ہے اور یہ بے سروپا باتیں آپ بکشادہ پیشانی کہتے ہیں کہ امام صاحب نے کہا ہے اور امام صاحب نے یہ اصول قائم کیئے ہیں میں اس (تقدیم قیاس پر خبر احاد) کی بحث کو زیادہ طول دینا اس موقع میں ضروری نہیں سمجھتا کیونکہ حنفی مذہب کی کتابوں میں اسکا ہونا تو صاحب سیرۃ النعمان خود مانتے ہیں رہا امام ابو حنیفہ سے صراحۃً ثابت نہونا یہ اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے فقہ کے بہتیرے مسائل ایسے ہی ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے ثابت نہیں بلکہ بعض ایسے ہیں جنکے خلاف امام ابو حنیفہ سے ثابت ہے جیسے آب کثیر کی تحدید۔ تشہد میں رفع سبابہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا کہ تقدیم قیاس کے مثال میں صرف ایک بیع مصراۃ کا مسئلہ ہے یہ بات غلط ہے کتب فقہ میں بہت ایسے مسئلے ہیں جنہیں قیاس کو حدیث پر مقدم کیا گیا ہے جیسے یہ مسئلہ کہ جس شخص نے صبح کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ ایک رکعت کے بعد آفتاب نکل آیا حنفیہ (باوجود اسکے کہ اس نماز کی صحت حدیث صحیح سے ثابت ہے) اس نماز کو فاسد کہتے ہیں اور یہ قیاس لگاتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں ایک رکعت ناقص ہوگی اور ایک رکعت کامل اسکو اگر صحیح کہیں تو ایک نماز کا ترکب ناقص و کامل سے ہوگا۔

دیکھو شرح وقایہ۔ ایسا مہمل قیاس اسپر حدیث کے مقابلہ میں فتوی دیا گیا ہے اور حدیث کو غلط تعارض بتا کر ٹالدیا ایسے ہی مسلمان کے مرتے وقت لٹانے کا مسئلہ حدیث میں موجود ہے کہ قبلہ رخ لٹادیں اسموقع میں اس قیاس کو کہ چت لٹانے میں روح آسانی سے نکلیگی حدیث پر ترجیح دیگئی ہے دیکھو ہدایہ کہ قبلہ رخ لٹانے کا سنت ہونا اقرار کرکے چت لٹانے کو از روے قیاس مختار لکھا ہے علی ہذا القیاس بہت مثالیں ہیں جنکو میں بخوف تطویل یہاں ذکر نہیں کرتا اور لوگ اسکو لکھ چکے ہیں باقی رہا صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا کہ مصراۃ والی حدیث پر امام ابوحنیفہ قیاس کو ترجیح نہیں دیتے ہیں بلکہ امام ابوحنیفہ اسکو منسوخ کہتے ہیں اور اس بارہ میں طحاوی کا حوالہ دیا ہے میں کہتا ہوں کہ کسی حدیث صحیح کو بغیر وجود کسی دوسری حدیث ناسخ کے قیاس سے منسوخ کرنا یہ بھی قیاس کا مقدم کرنا اور قیاس کو حدیث کا ناسخ قرار دینا ہے ورنہ آپ بتائیے کہ امام ابوحنیفہ نے اسکی ناسخ کون حدیث صحیح روایت کی ہے۔

اور اسکے تو صاحب سیرۃ النعمان بھی قائل ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو انکے زمانہ کے علما قیاسی کہتے تھے اور اس جہت سے انکی بدنامی تمام دیار وامصار میں اسوقت ہو گئی تھی جیسا کہ خود سیرۃ النعمان کے حصہ اول سے ظاہر ہے۔

غرض امام ابوحنیفہ کا حدیث کے متعلق اصول قائم کرنا اور اسمیں علت خفیہ نکالنی اور حدیث کی قسم معلل وغیرہ ٹھہرانی صاحب سیرۃ النعمان کسی سند سے صحیح طور پر ثابت نہیں کرسکے اور نہ کسی کتاب معتبر کا اسمیں حوالہ دیسکے محدثین کے کتابوں سے یہ

اصول التقاط کرکے خواہ مخواہ کہدیا کہ امام ابو حنیفہ نے یہ اصول قائم کیئے ہیں ایسے ہی احادیث کے مراتب ۔ اور یہ بات تو ظاہر ہی ہے کیونکہ کسی علم کے مغز کو پہنچنا اور اُسمیں مراتب نکالنے اور اُسکے اقسام کا امتیاز تو وہ کر سکتا ہے جو اُس فن کا ممارس اور مزاول ہو اور اس کام کے محدثین ہی تھے امام ابو حنیفہ رح کی اس فن میں کسی قسم کی شہرت اور مقبولیت نہ تو اُنکے زمانہ میں ہوئی اور نہ اُنکے بعد ہوئی جسکا آپنے بھی دبی زبان سے اقرار کیا ہے باقی رہا آپ کے فرضی امور بلا سند کہ امام ابو حنیفہ نے یہ کیا اور وہ کیا جسمیں کسی کتاب کی سند آپ نہ دیسکے اور خلاف اُسکے تصریحات موجود ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں یہ سب مجرد آپ کے زبان کی صفائی ہے اور کچھ نہیں ۔

اسیطرح صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ نے اسرار و مصالح شریعت کا تتبع کیا صرف آپکے زبان کی صفائی ہے جو مجرد زبانی جمع خرچ ہے کسی کتاب اور کسی سند سے آپ اسکا ثبوت نہ دیسکے اور کیونکر دیسکتے محض خیالی پلاؤ پکانے کا ثبوت کیا ہے امام غزالی کے احیاء العلوم میں کتاب العلوم کو دیکھکر انسان کہسکتا ہے کہ صاحب سیرۃ النعمان کسقدر راسخ القول آدمی ہیں امام ابو حنیفہ کی شہرت صرف فقاہت میں ہے اور علم فقہ کے بارہ میں امام غزالی نے احیاء العلوم میں نہایت وضاحت کے ساتھ لکھدیا ہے کہ اس علم کو رموز و اسرار شریعت سے کچھ تعلق نہیں ہے اور فقہ کو علم دنیا قرار دیا ہے اور اُسکے بیان کے ضمن میں امام ابو حنیفہ اور اُنکے شاگرد رشید امام ابو یوسف کا تذکرہ بھی کردیا ہے کہ امام ابو یوسف زکوۃ کے ڈرسے

آخر سال میں اپنا مال بی بی کو ہبہ کر دیتے اور پھر دوسرے سال کے آخر میں بی بی سے ہبہ کرالیتے یہ خبر امام ابوحنیفہ کو کہی گئی تو انھوں نے کہا کہ یہ ابو یوسف کے فقاہت کی شان ہے۔ اور امام غزالی وہی ہیں جنکو خود صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۱۷۶ میں اسرار شریعت کا عالم قرار دیا ہے وہی علم فقہ اور امام ابوحنیفہ اور اُنکے شاگرد رشید امام ابو یوسف کا یہ حال لکھتے ہیں اسکے مقابلہ میں صاحب سیرۃ النعمان کا محروخیالی پلاؤ اور زبانی جمع خرچ بلا سند کون سنتا ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (محدثین نے حدیث کی جو تقسیمیں کی ہیں یعنی صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ مشہور۔ عزیز۔ غریب۔ وغیرہ اُنکے اختلاف مراتب سے احکام پر چنداں اثر نہیں پڑتا چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے باقی اقسام کو قریباً یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کمال درجہ کا جہل اور ناواقفیت صاحب سیرۃ النعمان کی ہے چھ قسمیں حدیث کی جو آپنے لکھکر یہ کہا ہے کہ محدثین سوائے ضعیف کے اور سب کو یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں یہ کئی طرح سے غلط ہے اولاً یہ قسمیں حدیث کی (باعتبار تعدد جہات تقسیم) کے ہیں جس سے یہ ضرور نہیں کہ یہ اقسام آپس میں قسیم و مبائن ہوں بلکہ یہ اقسام آپسمیں متداخل ہیں کیونکہ بعض تقسیم باعتبار صفات رواۃ اور روایت کے ہے اور کوئی باعتبار تعدد رواۃ و روایت کے ہے۔ مقدمہ ابن صلاح میں ہے النوع الموفی ثلثین معرفۃ المشہور ومعنی الشہرۃ مفهوم وهو منقسم

الی صحیح کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وامثالہ والی غیر صحیح
کحدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم وکما بلغنا عن احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ
انہ قال اربعۃ احادیث تدور عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاسواق لیس لھا
اصل الخ ترجمہ تینویں قسم حدیث مشہور کی پہچان میں شہرت کے معنے معلوم ہیں اور
یہ صحیح اور غیر صحیح دونوں ہوتی ہے صحیح جیسے حدیث انما الاعمال بالنیات اور اس
قسم کی حدیثیں اور حدیث مشہور غیر صحیح جیسے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم
امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ چار حدیثیں تمام بازاروں
میں قول رسول اللہ مشہور ہیں جنکی کوئی اصل نہیں ۔
پھر حدیث غریب کے بیان میں لکھا ہے وینقسم الغریب ایضاً الی صحیح کالافراد المخرجۃ فی الصحیح
والی غیر صحیح وذلک ھو الغالب علی الغرائب یعنے حدیث غریب بھی دو قسم ہوتی ہے
صحیح جیسے صحیح بخاری کی فرد حدیثیں اور غیر صحیح اور غریب حدیثیں اکثر ایسی ہی ہیں ۔
ان عبارات سے وہ بھی غلط ٹھہرا جو صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہے کہ محدثین ان سب
قسم کے حدیثوں کو یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں ماہر اصول پر پوشیدہ نہیں کہ محدثین
کو احادیث کے قابل حجت سمجھنے میں فقہا سے کہیں زیادہ احتیاط ہے اور یہ بات بوجہ احسن
ہم ثابت کر چکے ہیں علاوہ فتح المغیث میں لکھا ہے ان کثیرا من العلل التی یتعلل بھا
المحدثون لاتجری علی اصول الفقھاء یعنے بہت سی ایسی علتیں جس سے محدثین حدیث
کو معلل (ناقابل حجت) ٹھہرا لیتے ہیں وہ فقہا کے اصول پر جاری نہیں ہوتیں صاحب

سیرۃ النعمان یہ ساری باتیں باعث ناواقفیت کے اپنی ذہنی تراشیدہ لکھتی ہیں اسیواسطے وہ کسی کتاب کا حوالہ نہ دیسکے۔

صاحب سیرۃ النعمان سنے اسموقع میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے (محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل انکا فرض نتھا) میں کہتا ہوں کہ یہ صاحب سیرۃ النعمان کی نادانی اور خیرہ چشمی اور کم بینی اور کوتہ اندیشی کا نتیجہ ہے محدثین کی اس بارہ میں علوحوصلگی اور دقت نظری اور نکتہ شناسی اولاً ان عبارات کتب سے (جو اوپر منقول ہو چکیں) ظاہر ہے علاوہ فاضل سندہی لکھتے ہیں ومن عبر سنن ابی داود وحدہا یری من غرائب تراجمہ ونوادر المسائل فی الاحادیث مالا یوجد فی کتب الفقہ ولھذا قال الامام الغزالی ان سنن ابی داود مجمع موارد الاجتہاد ترجمہ جسنے صرف ابی داود پوری دیکھی ہے وہ اسکے عجائب ترجمے اور نادر مسئلے حدیث میں ایسے ایسے پاویگا جو کتب فقہ میں نہیں پائے جاتے اسی لحاظ سے امام غزالی سنے کہا کہ سنن ابی داود موارد اجتہاد کا مجموعہ ہے۔

اور علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں بذیل ذکر امام مسلم لکھتے ہیں الف مسند کا الصحیح حذی فیہ حذو البخاری فی نقل المجمع علیہ وحذف المکرر منہا وجمع الطرق والاسانید وبوبہ علی ابواب الفقہ وتراجمہ ترجمہ امام مسلم نے صحیح مسلم تالیف کی اور اسمیں بخاری کی روش چلی کہ متفق علیہ حدیثیں نقل کیں اور مکرر کو چھوڑ دیا اور طرق و اسانید کو جمع کر دیا اور فقہ کے ابواب اور اسکے مسائل پر اس کتاب میں ابواب

لکھے۔ اور تاریخ ابن خلکان میں بذیل ذکر امام بخاریؒ لکھا ہے وقد م بغداد واجتمع الیہ اھلھا واعترفوا بفضلہ وشھدوا بتفردہ فی علم الروایۃ والدرایۃ یعنے امام بخاری بغداد میں آئے تو وہاں کے سب لوگ اُنکی طرف جمع ہوئے اور سبھوں نے اُنکے فضل کا اقرار کیا اور یہ گواہی دی کہ یہ شخص علم روایت (حدیث) اور درایت (فقاہت) میں یکتا ہے ـــ

اور صاحب حجۃ اللہ البالغہ ترجمۃ الابواب میں لکھتے ہیں اول ما صنف اھل الحدیث فی الحدیث جعلوہ مدوّنا فی اربعۃ فنون فن السنۃ اعنی الذی یقال لہ الفقہ مثل موطا مالک وجامع سفیان وفن التفسیر مثل کتاب ابن جریج وفن السیر مثل کتاب محمد بن اسحٰق وفن الزھد والرقاق مثل کتاب ابن المبارک فاراد البخاری ان یجمع الفنون الاربعۃ فی کتاب ویجردہ لما حکم العلماء بالصحۃ قبل البخاری ویجردہ للحدیث المرفوع المسند وما فیہ من الاٰثار وغیرھا انما جاء بہ تبعا لا باصالۃ ولھذا اسمی کتابہ بالجامع الصحیح اراد ان یفرغ جھدہ فی الاستنباط من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویستنبط من کل حدیث مسائل کثیرۃ جدًا وھذا امر لا یسبقہ الیہ غیرہ ۱۲ ـــ

ترجمہ محدثین نے جب اول اول علم حدیث میں تصنیف کی تو اُسکو چار فنوں میں مدوّن کیا ایک فن سنّت یعنے جسکو فقہ کہتے ہیں جیسے مؤطا امام مالک کی اور جامع سفیان اور دوسرا فن تفسیر جیسے کتاب ابن جریج کی تیسرا فن سیر جیسے کتاب محمد بن اسحٰق

کی۔ چوتھا فن زہد ورقاق جیسے کتاب ابن المبارک کی۔ بخاری نے چاہا کہ چاروں فنوں کو ایک کتاب میں جمع کردیں اور اُسمیں صرف وہ روایتیں لاویں جبکو اگلے علما صحیح کہہ چکے ہیں اور صرف حدیث مرفوع مسند لاویں باقی رہے آثار وغیرہ جو امام بخاری لائے ہیں وہ اصالتًا نہیں ہیں بلکہ بالتبع مذکور ہیں اسی وجہ سے امام بخاری نے اپنی کتاب کا نام جامع صحیح رکھا اور امام بخاری کی یہ غرض تھی کہ اجتہاد کریں اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مسائل استنباط کریں چنانچہ ہر ہر حدیث سے بہت کثرت سے مسائل استنباط کیئے ہیں اور یہ وہ کام ہو کہ بخاری سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

—— اور مولوی نور الحق ابن شیخ عبد الحق دہلوی تیسیر القاری میں بذیل ذکر امام بخاری لکھتے ہیں۔ وی در زمان خود در حفظ احادیث و اتقان آن و فہم معانی کتاب و سنت وحدت ذہن و جودت بحث و وفور فقہ و کمال زہد و غایت ورع و کثرت اطلاع بر طرق حدیث و علل آن و دقت نظر و قوت اجتہاد و استنباط فروع از اصول نظیر نداشت اور علامہ قسطلانی ارشاد ساری میں بذیل ذکر امام بخاری لکھتے ہیں ما برح رحمہ اللہ تعالے یداب ویجتہد حتی سار انظر اھل زمانہ وفارس میدانہ ومقدما علی اقرانہ وامتدت الیہ الاعین وانتشر صیتہ فی البلدان ورحل الیہ من کل مکان ——

ترجمہ امام بخاری برابر اجتہاد کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے عالی نظر اور میدان اجتہاد کے سوار اور امثال میں پیشوا ہوگئے اور نگاہیں اُنکی طرف اُٹھیں اور تمام ملک میں اُنکا شہرہ پھیلگیا اور ہر جگہہ سے لوگ اُنکی طرف آنے لگے۔

اور پھر اُسی کتاب میں لکھا ہے قال یعقوب بن ابراھیم الدورقی ونعیم الخزاعی محمد بن اسمٰعیل فقیہ ھٰذہ الامۃ وقال بندار بن بشّار ھو افقہ خلق اللہ فی زماننا قال نعیم بن حماد ھو فقیہ ھٰذہ الامۃ وقال اسحٰق بن راھویہ یا معشر اصحاب الحدیث انظروا الی ھذا الشاب واکتبوا عنہ فانہ لو کان فی زمن الحسن البصری لاحتاج الناس الیہ لمعرفۃ بالحدیث وفقہہ وقد فضلہ بعضھم فی الفقہ والحدیث علی الامام احمد بن حنبل واسحٰق بن راھویہ۔

ترجمہ یعقوب بن ابراہیم دورقی اور نعیم خزاعی نے کہا کہ امام بخاری اس امت کے فقیہ ہیں اور بندار بن بشار نے کہا کہ امام بخاریؒ ہمارے زمانہ کے ساری مخلوق سے بڑھکر فقیہ ہیں اور اسحٰق بن راہویہ نے کہا کہ اے گروہ اہل حدیث اس جوان کے طرف دیکھو اور اس سے پڑھو کیونکہ اگر یہ امام حسن بصری کے زمانہ میں بھی ہوتا تو لوگ اس شخص کے علم حدیث اور فقہ کے باعث اسکے محتاج ہوتے اور بعضوں نے حدیث و فقہ میں امام بخاریؒ کو امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہ پر فضیلت دی ہے یہ اُن علما کے اقوال ہیں جو امام بخاری کے زمانہ میں اُنکے معاصر تھے امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق بن راہویہ کا بھی وہی زمانہ ہے امام بخاری اُنکے شاگرد بھی ہیں جن حضرات کے نسبت علما کی ایسی تصریحات موجود ہیں اور یہ تو گویا اندکی از بسیار اور مشتے از خروار ہے اگر محدثین کے مناقب اور اُنکا ذکر جمیل پورا نقل کیا جائے تو بہت بڑی ضخیم کتاب طیار ہوا اور یہ تو عیاں راچہ بیاں ہے ان حضرات کی کتابیں

موجود ہیں جو انکی جلالت وعظمت ومقبولیت کی دلیل روشن ہیں بقول مولوی
عبدالحی صاحب لکھنوی کے کہ جو شخص کتاب صحیح بخاری سے بہرہ مند ہولے اسپر
امام بخاری رح کی جلالت اور وسعت علم اور باریک بینی اور نکتہ شناسی پوشیدہ نہیں
ہے جیسا کہ ظفر الامانی سے اونکی عبارت اوپر منقول ہوئی اور اسیطرح فوائد بہیہ اور
نافع کبیر میں لکھا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین میں بذیل ذکر ابی داود لکھتے ہیں
ابن الاعرابی گفتہ است کہ شخصے راکہ علم کتاب اللہ وسنن ابی داود حاصل شود او را در
مقدمات دین کافی وبسند باشد۔

و شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں بخاری کے ذکر میں لکھتے ہیں۔ وی در زمان خود
در حفظ احادیث واتقان آن وفہم معانی کتاب وسنت وحدت ذہن وجودت قریحہ
ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت اطلاع بر طرق حدیث وعلل آن ودقت
نظر وقوت اجتہاد واستنباط فروع از اصول نظیرے نداشت۔

وصاحب حجۃ اللہ البالغہ انصاف میں صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۴۶ تک تذکرہ محدثین
کا کرکے فرماتے ہیں وکان اوسعهم علما وانفعهم تصنيفا واشهرهم ذكرا
رجال اربعة متقاربون في العصر اولهم ابو عبد الله البخاري وكان غرضه تجريد
الاحاديث الصحاح المستفيضة المتصلة من غيرها واستنباط الفقه والتفسير
منها فصنف الجامع الصحيح فوفى بما شرط وبلغنا ان رجلا من الصالحين رأى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منامہ و ھو یقول مالك اشتغلت بفقہ ابن ادریس وترکت کتابی قال یا رسول اللہ وما کتابك قال الصحیح البخاری الی ان قال بعد ذکر الرابع الترمذی وجامعہ انہ کاف للمجتہد مغنی للمقلد —

ترجمہ محدثین میں سے چار شخص (جنکا زمانہ قریب قریب ہے) ایسے ہیں جنکا علم سب سے زیادہ وسیع اور جنکی تصنیف زیادہ نافع اور جنکی شہرت زیادہ ہے چاروں میں سے اول امام بخاری ہیں اُنکی غرض یہ تھی کہ احادیث صحیحہ مشہور متصل کو چھانٹ کر مسائل اور تفسیر اُنسے استنباط کریں تو اُنھوں نے صحیح بخاری تصنیف کی اور اپنی شرط اُسمیں پوری کی اور مجھکو معلوم ہوا ہے کہ ایک بزرگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں تو محمد بن ادریس کی فقہ میں کیوں مشغول ہو گیا ہے اور میری کتاب تو نے چھوڑ دی ہے اُس بزرگ نے عرض کی کہ آپ کی کتاب کون ہے فرمایا صحیح بخاری ۔

اسیطرح اوروں کے ذکر کے بعد چوتھے امام ترمذی کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی مجتہد کو کافی ہے اور مقلد کو بے پرواہ کر دینے والی ہے —

میں کہتا ہوں کہ یہ بات تو ایسی ظاہر ہے کہ شہادت علما اور کتب معتبرہ کی بالکل حاجت نہیں ہے محدثین کا مذہب الگ ہونا اور اُنکے اور فقہا کے درمیان اختلاف مسائل ہونا تو تھوڑے شعور کا آدمی بھی جانتا ہے صاحب سیرۃ النعمان کو بھی اسکا اقرار ہے اصول فقہا اور اصول محدثین کا الگ الگ ہونا بھی ظاہر ہے علاوہ اگر یہ لوگ نصوص کو

استنباط مسائل کے حیثیت سے نہیں دیکھتے تھے تو پھر انکا عمل اور انکے مسائل کیونکر ہوئے انکا استناد تو کتاب وسنت و آثار صحابہ ہی پر ہے البتہ جن لوگوں کے پاس قیاس کا بہت کھنڈا موجود تھا اُنہوں نے طلب احادیث میں زحمت سفر و مشقت اُٹھانے کی نہ ضرورت دیکھی اور نہ کی جو مسئلہ پیش آیا اُسی بہت کھنڈے (قیاس) سے فوراً جواب دیدیا ایسے لوگ اُسوقت قیّاس کہلاتے تھے جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان نے حصہ اول میں خود اقرار کیا ہے علاوہ امام ابو حنیفہؒ کے مناظرے جو آپ نے نقل کیئے ہیں وہ بھی اسی کے شاہد ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے قیاس ہی سے جواب دیئے ادلہ شرعیہ کا وہاں نام بھی نہ تھا اسکی تفصیلی بحث ہم اوپر کر چکے اور متعدد اقوال سے اُسکو ثابت کر چکے ہیں ۔

اسکے بعد صاحب سیرۃ النعمان نے اس مسئلہ کی بحث کی ہے کہ خبر احاد سے زیادت علی الکتاب جائز نہیں ہے اور اسی بنا پر درمیان امام شافعی اور امام محمد کے جو مناظرہ ہوا تھا اُسکو جھٹلایا ہے لطف یہ ہے کہ اس کذب کے ساتھ اسی قصہ سے امام ابو حنیفہؒ سے اس اصول کے ثابت ہونے پر آپنے استدلال بھی کیا ہے میں اولاً اس قصہ کے متعلق لکھتا ہوں اس قصہ کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور انصاف میں اور علامہ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں اور سبکی نے طبقات کبریٰ میں اور امام بیہقی نے مناقب شافعی میں ذکر کیا ہے علاوہ صاحب بصیرت کو چاہیئے کہ قطع نظر ثبوت کے نفس مناظرہ کو دیکھے اگر مضمون قصہ سے اُسکا بطلان ثابت ہو

تو سند و ثبوت کے دیکھنے کی کیا ضرورت ہی جیساکہ امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ رح کے مناظرہ کا قصہ جسکی تقریر ہم اوپر کر چکے اور اگر نفس مضمون مناظرہ صحیح ہے تو سند و ثبوت کی چنداں حاجت نہیں ہے کیونکہ اگر مضمون ٹھیک ہے تو اگر پہلے کسی نے وہ کلام نہیں کیا تو اب ہو سکتا ہے لہذا میں اس قصہ کے ثابت کرنے کے طرف متوجہ نہیں ہوتا اور نفس مضمون کے طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

مضمون قصہ یہ ہے کہ امام محمد علماء مدینہ طیبہ پر طعن کر رہے تھے کہ مدینہ والے جس مقدمہ میں دو گواہ نہیں ہوتے اسمیں ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرتے ہیں امام شافعی نے اولاً اس جملہ (مدینہ والے) پر بیزاری ظاہر کی کہ اس شہر کو تم برا کہتے ہو یا اس شہر والوں کو اگر شہر کو برا کہتے ہو تو یہ شہر مہبط جبرئیل و وحی ہے اور اگر شہر والوں کو کہتے ہو تو شہر والے مہاجرین و انصار ہیں امام محمد کو اسپر عبرت ہوئی اسکے بعد امام شافعی نے وجہ اعتراض پوچھا امام محمد نے کہا کہ علماء مدینہ ایک گواہ اور قسم پر بنا بر خبر احاد کے فیصلہ جائز رکھتے ہیں حالانکہ قرآن میں دو گواہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ امام شافعی بولے کہ کیا آپکے نزدیک خبر احاد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی امام محمد نے کہا ہاں نہیں ہو سکتی امام شافعی بولے کہ قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ حدیث خبر واحد (لا وصیۃ لوارث) کے بنا پر وارث کے لیئے وصیت ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اس مضمون کو حجۃ اللہ البالغہ سے نقل کر کے یہ اعتراض

کیا ہے کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثتؔ کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کے اُس آیۃ سے جسمیں توریث کے احکام ہیں۔
میں کہتا ہوں کہ صاحب سیرۃ النعمان کا یہ اعتراض بڑی ناواقفیت کی دلیل ہے آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ نسخ کے لیئے درمیان ناسخ و منسوخ کے معارضہ ہونا شرط ہے کیونکہ لغت میں نسخ کے معنے ابطال و ازالہ کے ہیں اور درمیان آیۃ وصیت اور آیۃ میراث کے کوئی معارضہ نہیں بلکہ آیۃ میراث وصیت کی موکد ہے کیونکہ اُسمیں من بعد وصیۃ موجود ہے چنانچہ اسیوجہ سے امام محمد امام شافعی کے مقابلہ میں لاجواب ہوگئے ہیں صاحب سیرۃ النعمان کے اس دلیری پر شاباش کہتا ہوں کہ باین کم مایگی اور ناواقفیت شاہ ولی اللہ صاحب پر اعتراض کرنے میں نہ چوکے۔
امام شافعی نے اس موقع میں اور چند اعتراض امام محمد پہ کیئے تھے ازانجملہ یہ ہے کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا (جسمیں حدیث موجود ہے) آپ منع کرتے ہیں اور زیادت علی الکتاب کہتے ہیں تو اثاث البیت کے مقدمہ میں اگر مرد و عورت دونوں مدعی ہوں اور گواہ نہوں تو آپ کیونکر فیصلہ کرتے ہیں امام محمد نے کہا کہ عورت کی مخصوص چیزیں عورت کو دلاتے ہیں اور مرد کی مخصوص چیزیں مرد کو دلاتے ہیں امام شافعی نے کہا کہ اس بارہ میں تو حدیث بھی نہیں ہے آپنے قرآن پر زیادتی اس مسئلہ میں کیونکر کی امام محمد لاجواب ہوگئے۔ صاحب سیرۃ النعمان کو چونکہ اسکا جواب کچھ بھلا

ؔ یہ شائد کاتب کی غلطی ہے اصل میں یہاں پر لفظ وصیت چاہیئے ۱۲ منہ

یا بُرا نہ سوجھا لہذا اُسکو ذکر بھی نکیا اور صرف پہلا اعتراض امام شافعی کا ذکر کرکے ایک واہی جواب دیدیا جسکی حقیقت ہمنے ظاہر کردی۔

اور فرماتے ہیں کہ قوی سے قوی اعتراض اس مسئلہ (خبر واحد سے زیادت علی الکتاب جائز نہیں) پر یہی تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر بہت اعتراض وارد ہیں سیکڑوں مسئلے ایسے ہیں جنہیں خبر واحد کیا قیاس سے بھی زیادت علی الکتاب امام ابوحنیفہؒ نے کیا ہے۔ میں یہاں پر دو چار مسئلے بطور نمونہ کے ذکر کرتا ہوں صاحب سیرۃ النعمان اگر سچے ہیں تو ان سب کا جواب دیں۔

اصول فقہ میں زیادت علی الکتاب دو معنوں (تخصیص عام و تقیید مطلق) میں مستعمل ہے وضوء میں مطلق راس کی تقیید ساتھ ربع سر کے کس دلیل سے قہقہ سے وضو ٹوٹنا کس دلیل سے اسمیں تو صحیح خبر احاد بھی پیش نہیں کر سکتے ربنا لک الحمد کی تقیید ساتھ تکبیر تحریمہ کے کس دلیل سے دیہات میں جمعہ ناجائز کہنا کس دلیل سے ولادت وغیرہ کے مقدمہ میں صرف ایک عورت کی گواہی معتبر ہونی کس دلیل سے عمہ اور بھتیجی کو جمع کرنے کی حرمت کس دلیل سے خالہ و بھانجی کو جمع کرنے کی حرمت کس دلیل سے ایک وضو سے کئی وقت کی نماز پڑھنی کس دلیل سے نماز کے اوقات پنجگانہ کی تحدید کس دلیل سے۔

صاحب سیرۃ النعمان ان مسئلوں میں کوئی حدیث متواتر یا مشہور پیش کریں۔

اور اُس حدیث کا متواتر یا مشہور ہونا ثابت کریں خالی زبانی جمع خرچ یوں لکھدینے سے کام نہیں چلتا کہ فلاں حدیث متواتر ہے یا مشہور ہے بات یہ ہی کہ امام ابو حنیفہ نے تو اصول قائم کیئے نہیں اور اُنکی قیاسی مسئلوں پر محدثین کے اعتراض شروع ہوئے کہ خلاف حدیث ہیں تو پیچھا والے اِن اصول کو گھڑ گراڑ بنایا جنکی پابندی خود اُنکے مذہب میں نہیں ہے۔

—— اسکے بعد صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (اخبار احاد کی بحث اور اُس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اُسکو ہم اِس موقع پر تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں اُن سے اختلاف ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ صاحب سیرۃ النعمان کے اس جملہ (بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں اُن سے اختلاف ہے) سے کیا غرض ہے اگر یہ مراد ہے کہ خبر احاد سے اعتقادیات کے ثبوت میں اختلاف ہے جسکا حاصل یہ ہوا کہ درمیان امام ابو حنیفہ اور محدثین کے اعتقادیات میں اختلاف ہے حالانکہ یہ بات محض غلط ہے اسیواسطے صاحب سیرۃ النعمان کسی کتاب سے اسکی سند نہیں دیسکے۔ علاوہ طحطاوی حنفی نے حاشیہ در المختار میں ارباب مذاہب اربعہ کی حقیت اور نجات کی دلیل یہی لکھی ہے کہ اعتقادیات میں یہ لوگ محدثین کے موافق ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ اس اصول میں اختلاف ہے تو بھی غلط ہے آپ کہیں سے اس اختلاف کو نقل نہیں کرسکے علاوہ اس اصول کا مآل آخر وہی ہوگا جو ہمنے احتمال اول آپکے کلام کا بیان کرکے باطل کیا ہے

دوسرے صاحب سیرۃ النعمان کا یہ فقرہ (زیادہ تر اسمیں اُسلئے اختلاف ہے) اسکو مشعر ہے کہ محدثین اور امام ابوحنیفہ سے اعمال میں کم اختلاف ہی حالانکہ اعمال ہی میں مزید اختلاف ہے جس سبب سے محدثین کا مذہب اور اُنکا مذہب الگ قرار پایا یہ سب صاحب سیرۃ النعمان کے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اسکے بعد اسکی بحث شروع کی ہے جو حافظ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ صحیحین کی حدیثیں قطعًا و یقینًا صحیح ہیں آپنے اسکے مقابلہ میں نووی کا قول پیش کیا ہے کہ حافظ ابن صلاح کا قول اکثروں کے خلاف ہی اکثروں کا قول یہ ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی ہیں صرف ظن کی مفید ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ صاحب سیرۃ النعمان کے قصور نظر اور کتب محققین سے ناواقفیت بلکہ نافہمی کے باعث ہے۔ علامہ سخاوی نے اس مسئلہ کی خوب تشریح کردی ہے چنانچہ فتح المغیث میں ہے ان الذی اوردہ البخاری ومسلم مجتمعین ومنفردین باسنادیہما المتصل دون ما سیاتی استثنائہ من المنتقد والتعالیق وشبہہما مقطوع بصحتہ لتلقی الامۃ المعصومۃ فی اجماعہا عن الخطاء کما وصفہا صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ لا یجتمع امتی علی ضلالۃ لذلک بالقبول من حیث الصحۃ وکذا العمل ما لم یمنع منہ نسخ او تخصیص او نحوہما وتلقی الامۃ للخبر المنحط عن درجۃ المتواتر بالقبول یوجب العلم النظری کذا الابن الصلاح حیث صرح باختیارہ لہ والجزم بانہ ھو الصحیح والا فقد نسبتہ الی القول بذلک فی الخبر المتلقی بالقبول الجمہور

من المحدثين والاصوليين وعامة السلف بل وكذا غير واحد في الصحيحين ولفظ الاوستاذ ابي اسحٰق الاسفرائني اهل الصنعة مجمعون على ان الاخبار التي اشتمل عليها الصحيحان مقطوع بصحة اصولها ومتونها ولا يحصل الخلاف فيها بحال و ان حصل فذلك اختلاف في طرقها ورواتها قال فمن خالف حكمه خبرا منها وليس له تاويل سائغ للخبر نقضنا حكمه لان هذه الاخبار تلقتها الامة بالقبول وقيل هو صحيح ظنا لانه لا يفيد في اصله قبل التلقي لكونه خبر احاد الا الظن وهو لا ينقلب بتلقيهم قطعيا وتصحيح الائمة للخبر المستجمع للشروط المقتضية للصحة انما هو مجرى على حكم الظاهر كما تقدم في ثاني مسائل الكتاب وايضا فقد صح تلقيهم بالقبول لما ظنت صحته وهذا القول عند محققيهم وكذا الاكثرين كما قد عزاه اليهم الامام النووي لكن قد وافق اختيار ابن الصلاح جماعة من المتاخرين مع كونه لم ينفرد بنقل الاجماع على التلقي بل هو في كلام امام الحرمين ايضا فانه قال لاجماع علماء المسلمين على صحتهما وكذا هو في كلام ابن طاهر وغيره لاشك كما قال عطاء ان ما اجمعت عليه الامة اقوى من الاسناد ونحوه قول شيخنا الاجماع على القول بصحة الخبر اقوى في افادة العلم من مجرد كثرة الطرق وكذا من القرائن المحتفة التي صرح غير واحد بافادتها العلم لاسيما وقد انضم الى هذا التلقي الاحتفاف بالقرائن وهي جلالة قدر مصنفيهما ورسوخ قدمهما في العلم وتقدمهما في المعرفة بالصناعة وجودة تمييز الصحيح من غيره وبلوغهما اعلى المراتب في الاجتهاد

والامامۃ فی وقتہما علی ان شیخنا قد ذکر فی توضیح النخبۃ ان الخلاف فی التحقیق لفظی قال لان من جوز اطلاق العلم قیدہ بکونہ نظریا وھو الحاصل عن الاستدلال ومن ابی الاطلاق خص لفظ العلم بالمتواتر وما عداہ عندہ ظنی لکنہ لا ینفی ان ما احتف بالقرائن ارجح مما خلا منہا۔

ترجمہ جو حدیثیں بخاری مسلم باتفاق یا ایک ایک اپنی اپنی سند متصل سے لائے ہیں بعض مستثنے جنکا ذکر آگے آتا ہے اور تعلیقات وغیرہ چھوڑکر سب یقیناً صحیح ہیں کیونکہ امت محمدی صلعم (جو اپنے اجماع میں خطا سے معصوم ہے جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی صفت بیان کی ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہوگی) نے اُن حدیثوں کو ازروے صحت و عمل دونوں کے باتفاق قبول کیا ہے جبتک عمل سے نسخ اور تخصیص وغیرہ مانع نہو اور جس حدیث کا درجہ متواتر سے کم ہے جب اُسکو امت محمدی نے قبول کر کے لیلیا تو وہ حدیث یقین بالدلیل کو مفید ہوتی ہے یہی علامہ ابن صلاح کا مذہب ہے یعنے انھوں نے اسی کو اختیار کیا ہے اور کہا ہی کہ یہ ٹھیک ہے ورنہ ابن صلاح سے پہلے جمہور محدثین اور اصولیین اور عامۂ سلف نے حدیث متفق علیہ کے بارہ میں یہ بات کہی ہے بلکہ عموماً صحیحین کے بارہ میں اکثروں نے یہ بات کہی ہے شیخ ابو اسحٰق اسفرائنی کا یہ لفظ ہے کہ محدثین متفق ہیں اسپر کہ صحیحین کے حدیثوں کے اصول و متون سب یقیناً صحیح ہیں اور اس بارہ میں کبھی ہرگز اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہی تو طرق اور رواۃ

ہیں ایسی حالت میں جس کسی کا حکم بخاری و مسلم کے حدیث کے خلاف ہو جسکی کوئی تاویل
نہیں بنتی ہو تو ہم لوگ اُسکا حکم توڑ دینگے کیونکہ ان حدیثوں کو امت محمدی صلعم نے
قبول کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں ظناً صحیح ہیں کیونکہ وہ حدیثیں
اصل میں امت محمدی کے قبول کرنے سے پہلے خبر احاد ہونے کے باعث مفید
ظن ہے نہیں تو امت کے تلقی بالقبول سے قطعی نہیں ہو جائینگے اور تمام اماموں
کا صحیح کہنا اُس حدیث کو جسمیں شروط صحت کے پائے جاتے ہیں اُس سے یہی بات
نکلی کہ اُس حدیث کو صحیح کہینگے جیسا کہ کتاب کے دوسرے مسئلہ میں گذرچکا اور اماموں
کا قبول کرنا اسیوجہ سے ہے کہ وہ ظنی طور پر صحیح ہیں یہ بات حسب قول امام نووی اکثر
محققین کے نزدیک ہے لیکن علامہ ابن صلاح نے جو کہا ہے اُسی کے موافق ہے
جماعت متاخرین کی اور اس باب میں کہ بخاری مسلم کے حدیثوں پر اجماع ہے علامہ
ابن صلاح متفرد نہیں ہیں بلکہ امام الحرمین کے کلام میں بھی یا یں لفظ ہے کہ بسبب
اجماع کرنے علماے مسلمین کے بخاری مسلم کے صحت پر اور ایسے ہی کلام میں شیخ
ابن طاہر وغیرہ کے ہے اور جیسا کہ عطا نے کہا کچھ شک نہیں اسمیں کہ جسپر امت
محمدی صلعم نے اتفاق کیا ہے وہ سندوں سے کہیں قوی ہے اور اسیطرح ہمارے
شیخ نے کہا کہ جس حدیث کے صحیح کہنے پر اجماع ہوا وہ مفید یقین ہونے میں کثرت
طرق سے کہیں قوی ہے اور ایسے ہی اُن قرائن سے جنکے مفید یقین ہونے کی
اکثروں نے تصریح کی ہے اجماع کہیں قوی ہے خصوصاً اُس اجماع کے ساتھ جو بخاری

مسلم کے صحت پر ہوا ہے ہر طرف سے کے قرائن بھی اگر ملا دیے جائیں اور وہ قرائن یہ ہیں بخاری مسلم کا جلیل القدر ہونا اور ان دونوں کا قدم علم میں راسخ ہونا اور حدیث کے پہچان میں پیشوا ہونا اور حدیث صحیح کے تمیز میں جودت اور ان دونوں کا اپنے وقت میں امامت واجتہاد میں اعلےٰ رتبہ کو پہنچنا علاوہ ان سب کے ہمارے شیخ نے شرح نخبہ میں ذکر کیا کہ تحقیقی بات یہ ہی کہ صحیحین کے حدیثوں کے قطعی الصحۃ وظنی الصحۃ ہونے میں جو اختلاف ہی وہ محض لفظی ہے کیونکہ جن لوگوں نے یقینا کہا ہے انھوں نے قید لگا دی ہے کہ یقین نظری ہوتا ہے یعنی استدلال سے حاصل ہے اور جنھوں نے انکار کیا ہے یقین کو متواتر کے ساتھ خاص کیا ہے اور متواتر کے سوا اُنکے نزدیک ظنی ہے لیکن وہ لوگ اسکی نفی نہیں کرتے ہیں کہ جسمیں ہر طرف سے قرائن موجود ہوں وہ کہیں قوی ہے اُس سے جسمیں وہ قرائن نہیں —

علامہ سخاوی کے کلام سے چند امور ثابت ہوئے ۱ حدیث متفق علیہ (جو بخاری مسلم دونوں میں ہی) کے قطعی الصحۃ ہونے پر جمہور محدثین اور اصولیین اور عامۂ سلف متفق ہیں اور جو حدیث صرف بخاری یا صرف مسلم میں ہے اُسمیں بھی شیخ ابو اسحاق اسفرائنی فرماتے ہیں کہ باتفاق اھل حدیث وہ حدیثیں بھی قطعی الصحۃ ہیں اور یہ کہ اسمیں خلاف نہیں ہے اگر ہے تو طرق ورواۃ میں ۔ اور امام الحرمین اور شیخ ابن طاہر وغیرہ وجماعت متاخرین سب اسی کے قائل ہیں اس سے صاحب سیرۃ النعمان کا وہ قول غلط ٹھہرا جو اُنھوں نے لکھا ہے کہ علامہ ابن صلاح اسمیں متفرد ہیں —

لے کثرت طرق سے جو قوت صحت حدیث میں ہوتی ہے جیساکہ خبر مشہور میں ہوتی ہے اُس سے بڑھکر اجماع سے صحت حدیث کو قوت ہوتی ہے جیساکہ صحیحین کے حدیثیں جو پہلے ظنی تھیں اجماع امت کے سبب سے حدیث مشہور سے بڑھکر قوی ہوگئیں۔ سے صحیحین کے حدیثوں میں سوائے اُس قوت کے جو بسبب اجماع کے مشہور سے بڑھکر اُنکو حاصل ہے علاوہ ہر طرف سے ایسے حالات اور قرائن موجود ہیں جن سے یقین حاصل ہونے کی اکثر محققین نے تصریح کی ہے۔ سے بخاری مسلم کا فن حدیث اور امامت واجتہاد میں اعلےٰ رتبہ کو پہنچنا۔ ۵ علامہ ابن صلاح کے خلاف جو قول نووی نے ذکر کیا ہے وہ صرف لفظی خلاف ہے یعنے صرف لفظوں کا پھیر پھار ہے ورنہ ازروے معنے کے اسمیں اختلاف نہیں ہے یعنے جو لوگ قطعی ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ازروے دلائل کے قطعی ہے اور جو لوگ ظنی کہتے ہیں وہ قطع نظر اُن دلائل کے کہتے ہیں

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی بھی ظفر الامانی شرح مختصر جرجانی میں کلام حافظ ابن صلاح و قول نووی پھر نووی کے کلام کا رد حافظ بلقینی و حافظ ابن حجر سے نقل کرکے یہ لکھتے ہیں ما اخرجه الشیخان فی صحیحیهما مما لم یبلغ حد التواتر فانه احتف به قرائن لجلالتهما فی هذا الشان وتقدمهما فی تمییز الصحیح عن غیره وتلقی العلماء لکتابیهما بالقبول وهذا التلقی وحده اقوی فی افادة العلم من مجرد کثرة الطرق القاصرة عن التواتر الا ان هذا یختص بما لم ینتقد ای لم یتکلم فیه احد من الحفاظ مما فی الکتابین

وبما لم یقع التجاذب بین مدلولیہ مما وقع فیھما حیث لا ترجیح لاستحالۃ ان یفید المتناقضان العلم بصدقھما وما عدا ذلک فالاجماع حاصل علی تسلیم ذلک فان قیل انما اتفقوا علی وجوب العمل بہ لا علی صحتہ منعناہ وسند المنع انھم متفقون علی وجوب العمل بکل ما صح ولو لم یخرجہ الشیخان فلم یبق للصحیحین مزیۃ والاجماع حاصل علی ان لھما مزیۃ فیما یرجع الی نفس الصحۃ ترجمہ جو حدیث بخاری مسلم کی حد تواتر کو نہیں پہنچی ہے تو اُسکے ساتھ اور قرائن موجود ہیں دونوں کی جلالت شان اور حدیث صحیح کی تمیز میں اُنکا تقدم پھر علما کا اُن دونوں کی کتاب کو بالاتفاق قبول کرنا اور یہ (علما کا باتفاق قبول کرنا) مفید یقین ہونے میں کہیں قوی ہے اُس کثرت طرق سے جو تواتر سے کم ہے مگر اتنی قید لگانی ہوگی کہ حدیث صحیحین کی ایسی جسکو کسی حافظ نے ضعیف نکہا ہو اور ایسی حدیث جسکے دو مدلول میں تناقض نہو کیونکہ متناقضین دونوں کے صدق کو مفید نہیں ہوسکتے انکے سوا جملہ احادیث صحیحین کے ماننے پر اجماع ہوچکا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اجماع تو اسپر ہوا ہے کہ صحیحین کی حدیثیں واجب العمل ہیں نہ کہ انکی صحت پر اجماع ہوا ہے تو ہم اسپر منع کرینگے اور کہینگے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ صحت پر اجماع نہیں ہوا ہے اور سند اس منع کی یہ ہے کہ وجوب عمل کی حیثیت سے تو ہر حدیث صحیح پر اجماع ہے اگرچہ وہ حدیث بخاری مسلم کی نہو پھر ان دونوں کو اوروں پر کیا فضیلت رہی حالانکہ اسپر اجماع ہوا ہے کہ بخاری مسلم کو صحت حدیث کے بارہ میں خاص فضیلت ہے۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تمام علماے امت نے اجماع کیا ہی اسپر کہ بخاری مسلم
کی حدیثوں کو دوسری کتابوں کی احادیث صحیحہ پر فضیلت خاص ہے پھر اگر بخاری
مسلم کی حدیثیں بھی اور حدیثوں کی طرح مفید ظن ہی رہیں تو صحیحین کی حدیثوں کی
فضیلت پر اجماع ہونے کا کیا نتیجہ اور کیا حاصل اسیواسطے اکابر علماء صحیحین کی حدیث
اور دوسرے احادیث صحیحہ میں یہی فرق کرتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں قطعاً و یقیناً
صحیح ہیں اور دوسری کتابوں کی احادیث صحیحہ ظناً صحیح ہیں ورنہ وجوب العمل ہونے
میں تو سب برابر ہیں -

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں اما الصحیحان فقد اتفق
المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانہما متواتران
الی مصنفیہما وانہ کل من یہون امرہما فہو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین
ترجمہ صحیحین کی شان یہ ہے کہ سارے محدثین کا اتفاق ہے اسپر کہ ان دونوں
کتابوں میں جو حدیثیں متصل مرفوع ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں
اپنے اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ جو کوئی ان دونوں کتابوں
کی شان ہلکی کرے وہ بدعتی ہے اور مومنیں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے والا ہے -
حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں الخبر المحتف بالقرائن یفید العلم خلافا
لمن ابی قال وھو انواع منہا ما اخرجہ الشیخان فی صحیحیہما مما لم یبلغ التواتر
فانہ احتف بہ قرائن منہا جلالتہما فی ھذا الشان وتقدمہما فی تمییز الصحیح

علی غیرھما وتلقی العلماء لکتابیھما بالقبول وھذا التلقی وحدہ اقوی فی افادۃ العلم من مجرد کثرۃ الطرق القاصرۃ عن التواتر الا ان ھذا مختص بما لم ینتقدہ احد من الحفاظ وبما لم یقع بہ التجاذب بین مدلولیھما من غیر ترجیح وما عدا ذالک فالاجماع حاصل علی تسلیم صحتہ قال وما قیل انھم اتفقوا علی وجوب العمل بہ لا علی صحتہ فممنوع لانھم اتفقوا علی وجوب العمل بکل ما صح ولو لم یخرجاہ فلم یبق للصحیحین مزیۃ فیما یرجع الی نفس الصحۃ - **ترجمہ** جس خبر کی صحت پر ہر طرف سے قرائن موجود ہوں وہ خبر مفید یقین ہوتی ہے خلاف اُسکے جو منکر ہے کہا اور اُسکی چند قسمیں ہیں ایک قسم بخاری مسلم کی وہ حدیثیں جو تواتر کو نہیں پہنچیں کیونکہ اُن حدیثوں کو ہر طرف سے قرائن گھیرے ہوئے ہیں اُن قرائن میں سے بخاری مسلم کی جلالت شان اور حدیث صحیح کی تمیز میں سب سے اُن دونوں کا متقدم ہونا اور تمام علما کا ان دونوں کی کتاب کو قبول کرنا اور یہ ایک ایسی بات ہے جو مفید یقین ہونے میں کہیں بڑھکر ہے اُس کثرت طرق سے جو تواتر سے کم ہے مگر یہ اُن حدیثوں میں سے ہے جنکو کسی حافظ نے نہیں پرکھا ہے اور جو متعارض بلا ترجیح نہیں ہیں اسکے ماسوا کے صحیح ماننے پر اجماع ہوچکا ہے اور وہ جو کسی نے کہا ہے کہ اجماع وجوب عمل پر ہوا ہے نہ صحت پر یہ بات قابل ماننے کے نہیں ہے کیونکہ وہ اجماع تو ہر حدیث صحیح کے واجب العمل ہونے پر ہوا ہے اگرچہ صحیحین کی حدیث نہو پھر صحیحین کو نفس صحت کے بارہ میں اوروں پر کیا فوقیت رہی -

صاحب سیرۃ النعمان نے چونکہ اپنے موافق بجز کلام نووی اور کسی کا قول نہیں پایا
اور اکابر علما کے اقوال کلام نووی کے جواب میں موجود تھے لہذا اُنھوں نے نقل
سے عدول کرکے کہا ہے (ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے بلکہ
ہمکو خود غور کرنا چاہیئے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں)
میں کہتا ہوں کہ قطع نظر اور قرائن و دلائل کے مجرد خبر احاد سے یقین حاصل ہونا
تو کوئی نہیں کہتا مگر اور قرائن کے ساتھ یقین حاصل ہونے کا کوئی منکر نہیں ہوسکتا
آخر انسان کو اپنے باپ کی ابوت پر کیونکر یقین ہوتا ہے وہاں بھی تو خبر احاد ہی
ہے مگر وہی قرائن مفید یقین ہوتے ہیں ۔

بخاری مسلم کی اخبار احاد میں بھی بات ہے جیسا کہ عبارات کتب منقولہ سے
ظاہر ہے کہ ان دونوں کتاب کی خبر احاد کو ہر طرف سے قرائن ایسے گھیرے ہوئے
ہیں جو مفید یقین ہوتے ہیں ۔
اسکے بعد صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (کسی حدیث کو جب ایک محدث گو
وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اُسکا یہ دعویٰ چند ضمنی دعووں پر مشتمل ہے یعنی یہ
روایت متصل ہے ۔ اسکے رواۃ ثقہ ہیں ۔ ضابطۃ القاب ہیں ۔ روایت میں
شذوذ نہیں ہے ۔ کوئی علت قادحہ نہیں ہے ۔ یہ سب امور ظنی اور اجتہادی
ہیں جن پر یقین کی بنیاد نہیں قائم ہوسکتی ۔
میں کہتا ہوں یہاں تو ذکر صحیحین کا ہے اور صحیحین ہی کی خبر احاد کے یقیناً صحیح

ہونے میں کلام ہے اس موقع میں صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا (کسی حدیث کو جب ایک محدّث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے) اسکے معنے یہ ہوئے کہ صرف امام بخاری یا صرف امام مسلم جب کسی حدیث کو صحیح کہتے ہیں حالانکہ صحیحین کے حدیثوں کو صرف اُنکی مخرج ہی نے صحیح نہیں کہا بلکہ تمام محدثین کا ان دونوں کتاب کی حدیثوں کے صحت پر اتفاق ہے حتی کہ حنفیہ بھی اسمیں متفق ہیں اصول حنفیہ میں بھی یہ بات مسلّم ہے کہ احادیث صحیحین کے صحت پر علما کا اتفاق ہے صاحب سیرۃ النعمان نے یا باعث ناواقفیت کے ایسی بات کہی یا دانستہ یہ چال کا فقرہ لکھدیا۔

دوسرے آپ کا یہ فقرہ (کسی حدیث کو جب کوئی محدّث صحیح کہتا ہے) عجیب ہی کیونکہ محدثین نے کسی حدیث کی مجرد تصحیح نہیں کی بلکہ سند اُس حدیث کی بیان کردی امام بخاری و امام مسلم نے اپنی اپنی کتابوں میں یوں نہیں کہا کہ ھذا حدیث صحیح بلکہ حدیث کو ایسی سند قوی سے بیان کیا کہ تمام علما کو اُسکے صحیح کہنے میں تردد نہیں رہا البتہ امام ابو حنیفہؒ اور عموماً فقہاے حنفیہ کا یہ طریقہ ہے کہ حدیث کو بلا سند نقل کرتے اور اُس سے استدلال کرتے ہیں امام محمد نے کتاب الآثار میں مسح اذنین کے بارہ میں لکھا ہے قال محمد قال ابو حنیفة بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الاذنان من الرأس ترجمہ امام محمد کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ مجکو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دونوں کان سر میں داخل ہیں۔ دیکھو امام ابو حنیفہ رہ نے اس حدیث کو بلا سند بیان کیا

دوسری روایت اُسی کتاب الآثار میں ہے اخبرنا ابوحنیفۃ قال حدثنا الھیثم بن ابی الھیثم یرفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلیا الظھر فی منازلھما الخ ترجمہ امام ابوحنیفہ نے حدیث بیان کی کہاکہ حدیث بیان کی مجھسے ہثیم نے اور وہ رسول اللہ کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ دو شخص صحابی نے ظہر کی نماز اپنے گھر میں پڑھی آخر تک۔ دیکھو یہ روایت امام ابوحنیفہؒ نے بے سند بیان کی۔

تیسری روایت اُسی کتاب الآثار میں ہے قال محمد اما الفجر والعصر فلا ینبغی ان یصلی بعدھما نافلۃ لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس ولاصلوۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس ترجمہ امام محمد نے کہاکہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنی نہیں چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعد عصر کے غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے اور بعد فجر کے طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے۔ دیکھو معرض استدلال میں امام محمد نے بے سند روایت بیان کی وعلی ہذا القیاس حنفی مذہب میں اسکا بالکل التزام نہیں ہے جسکو ہم اوپر بھی ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ مرسل و منقطع حدیثیں لے لے کر اجتہاد کرتے تھے اور وہ مرسل بھی ایسی کہ بعض کی کچھ اصل نہیں اور بعض مرفوع کے مخالف انکی نسبت تو صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ روایت حدیث میں اُنکو نہایت تشدد اور احتیاط تھی اور محدثین جو روایت حدیث بسند متصل بیان کریں اور رجال و اسانید

کی پوری بحث کریں انکو آپ فرماتے ہیں کہ مجرد دعوی ہے یہ کیسی ناحق پسندی اور انصاف کا خون کرنا ہے۔

علاوہ بخاری مسلم میں تو ایک ایک حدیث بسند متعدد منقول ہے الا ماشاء اللہ اسیواسطے اجلہ محدثین اسکے قائل ہوئے ہیں کہ بخاری کی حدیثوں میں ہر طبقہ میں دو راوی سے کم نہیں ہیں جنکا بمقتضاے کریمہ واستشھدوا شھیدین من رجالکم الآیہ ماننا ضرور ہے حاکم و بیہقی نے کہا ہے من شرطھما ان یکون للصحابی المشہور بالروایۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم راویان فصاعدا ثم یکون للتابعی المشہور راویان ثقتان ثم یرویہ عنہ من اتباع التابعین الحافظ المتقن المشہور ولہ رواۃ ثقاۃ من الطبقۃ الرابعۃ ثم یکون شیخ البخاری ومسلم حافظا متقنا مشہورا بالعدالۃ فی روایتہ ولہ رواۃ ثم یتداولہ اھل الحدیث بالقبول الی وقتنا ھذا کالشہادۃ علی الشہادۃ۔ فتح المغیث ترجمہ بخاری مسلم کی شرط یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جو صحابی روایت کرے وہ روایت میں مشہور ہو اور دو شخص یا دو سے زیادہ روایت کرتا ہو پھر تابعی راوی بھی مشہور ہو اور دو ثقہ راوی ہوں پھر تبع تابعین میں بھی اسکو روایت کریں وہ جو حفظ و اتقان میں مشہور ہوں اور انکے بہت ثقہ راوی ہوں چوتھے طبقہ والوں میں سے پھر بخاری مسلم کے استاد ایسے لوگ ہوں جو حفظ و اتقان اور عدالت فی الروایۃ میں مشہور ہوں پھر محدثین اسکو قبول کرکے ہاتھوں ہاتھ لیتے چلے آئے اسوقت

تک جیسے گواہی پر گواہ ہے ۔

اس موقع میں اگر صاحب سیرۃ النعمان کہیں کہ بخاری مسلم کا سند حدیث بیان کرنا بھی دعوی صحت ہی تو صریح غلط ہے کیونکہ سند دلیل صحت ہے نہ دعوی صحت اسیواسطے علمانے سند کو شہادت کے ساتھ تعبیر کیا ہے جیسا کہ حاکم اور بیہقی کا کلام ابھی گذرا

اگر صاحب سیرۃ النعمان یہ کہیں کہ اخراج فی الجامع الصحیح دعوی صحت ہی اور سند دلیل صحت تو دعوی بادلیل ہی نہ مجرد دعوی باقی رہا اتصال سند اور توثیق رواۃ وغیرہ جو آپنے لکھے ہیں راوی اور مروی عنہ کی معاصرت یا انکا آپسمیں لقا و سماع یہ سب امور تو مسموعات و مشاہدات سے ہیں اسمیں اجتہاد کو کیا دخل ہے جو صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں امور اجتہادی تو وہ ہوتے ہیں جو اجتہاد مجتہد پر موقوف ہوں اور بغیر اجتہاد مجتہد کو وہ معلوم نہو سکتی ہوں دو شخصوں کی معاصرت یا آپسمیں لقا و سماع تو شخص حاضر رویت و مشاہدہ سے جان سکتا ہے اور غائب شخص حاضر کی شہادت سے جان سکتا ہے کیا ہماری اور مولوی شبلی نعمانی کی معاصرت بغیر اجتہاد مجتہد کے کوئی نہیں جان سکتا یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہی ایسے ہی رواۃ کا ثقہ ہونا اور ضابطۃ القلب جید الحافظہ ہونا حاضرین نقاد تجربہ سے جان سکتے ہیں اور غائبین انکی شہادت اور انکے درمیان شہرت سے جیسے امام بخاری کے جودت حافظہ کا اقرار لوگوں نے اس

تجربہ سے کیا کہ سو حدیثوں کی اسناد و متن گٹ پٹ کر کے دس شخصوں سے دس دس حدیثیں امام بخاری کے سامنے ایک مجلس میں پیش کرائیں امام بخاری سب کو بہ ترتیب سنتے اور یہی کہتے گئے کہ لا ادری میں نہیں جانتا پھر بعد تمام ہونے اُن سب حدیثوں کے پہلے شخص اول سے خطاب کر کے کہا کہ تو نے پہلے حدیث اسطرح پڑھی تھی وہ حدیث یوں نہیں بلکہ یوں ہے اور اُسکی اسناد ٹھیک کر کے پڑھ دی اسیطرح ہر ہر حدیث اُن دسوں آدمی سے بہ ترتیب پہلے اُنکے طور پر پڑھکر اُسکی غلطی بیان کی پھر صحیح طور سے اُسکو پڑھدیا علما کو اُنکی قوت حافظہ اور سیلان ذہن پر حیرت ہو گئی کہ صحیح طور پر اگر اُن حدیثوں کو پڑھدیا تو یہ حدیثوں کے حافظ ہی ہیں حیرت انگیز تو یہ امر ہے کہ ہر سو حدیثوں کو بہ ترتیب اُسی غلط طور پر پڑھدیا بغداد دارالخلافہ اور اُسکے نواح کے علما کو جب ایسا تجربہ ہوا تب اُن لوگوں نے امام بخاری کی جودت حفظ واتقان کی شہادت دی اور اُنکے فضل کا سبنے اقرار کیا اس قصہ کو حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں اور علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اور علامہ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں اور علامہ قسطلانی نے ارشاد ساری میں اور علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں اور بہت علما نے نقل کیا ہے چنانچہ مقدمہ فتح الباری کی عبارت ہم اوپر نقل کر چکے ۔

صاحب سیرۃ النعمان نے جو ایسی باتوں کو ظنی اور اجتہادی قرار دیا مجکو نہایت تعجب ہے کیونکہ میں اُنکو اور نہیں تو عاقل سمجھدار ضرور جانتا ہوں ۔

اس موقع میں صاحب سیرۃ النعمان اگر یہ کہیں کہ رواۃ کے ثقاہت اور عدالت پر جو محدثین نے رائے قائم کیں وہ ظنی اور اجتہادی ہیں ۔ تو میں کہتا ہوں کہ ثقاہت اور عدالت کے دلائل و امارات قطع نظر عدم ظہور فسق کے اللہ پاک و رسول صلعم نے فرمائے ہیں مثلاً رسول صلعم نے فرمایا اذا رایتم الرجل یتعاھد المسجد فاشہد والہ بالایمان یعنے جب کسی کو دیکھو کہ مسجد کا اُسکو بہت تقید رہتا ھے تو اُسکے ایمان کی گواہی دو اور اللہ پاک نے قرآن میں بندگان صالحین کی نشانیاں فرمائی ہیں عباد الرحمن یمشون علی الارض ھونا الخ اور اس قسم کی آیتیں قرآن میں بہت ہیں اور اللہ و رسول نے ثقاہت اور عدالت کی جو نشانیاں فرمائی ہیں وہ سب حسی اور مشاہدات سے ہیں پس ان امارات اور علامات سے ثقاہت و عدالت ثابت ہونی اجتہادی امر نہیں ٹھہرا بلکہ نصی امر ٹھہرا ان امارات ثقاہت و عدالت کے ساتھ عدم ظہور فسق اور غیر متہم ہونا اُن امارات کا موثق اور مصدق ھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا ایسا امر یقینی تھا کہ کفار بھی باوجود ایسی عداوت کے آپکے صادق ہونے کا اقرار کرتے تھے اور یہی عدم ظہور کذب کو وہ لوگ اسکی دلیل ٹھہراتے تھے اگر یہ امر اجتہادی اور ظنی ہوتا تو کفار باوجود عداوت آنحضرت صلعم کے صدق کا کبھی اقرار نکرتے ۔ اسی سے یہ بات ثابت ھے کہ یہ ایک ایسا امر تھا کہ کفار اس اقرار پر مجبور تھے اور انکار نہیں کر سکتے تھے ۔

علی ہذا القیاس روایت میں شذوذ (مخالفت ارجح وثقاۃ کی) ایک حسی امر کا

پایا جانا یا نہیں پا یا جانا ہی کوئی رائے و تجویز کے متعلق بات نہیں ہی جو اسکو امر ظنی و اجتہادی کہا جائے۔ دوسرے شذوذ و علت قادحہ نہونی حدیث صحیح میں قید سلبی ہے نہ وجودی کہ اجتہاد مجتہد کو اسمیں دخل ہو۔

اس بیان و تصریح سے وہ سب باتیں باطل ہوئیں جو صاحب سیرۃ النعمان نے صحیحین کی حدیثوں میں کلام کیا ہے قیامت تو آپ نے یہ کی ہے کہ مجتہد کے مسائل اجتہادیہ اور حدیث صحیحین کو برابر کر دیا ہے میں آپ کی اُس تقریر کا ہر فقرہ نقل کر کے اُسپر کلام کرتا ہوں۔

آپ لکھتے ہیں (جسطرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کر کے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے)

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ فقیہ کا اپنی رائے و استنباط کو صحیح سمجھنا اور محدث کامل کا کسی حدیث کو صحیح کہنا دونوں ایک ہی قسم کی بات ہی ہرچند معمولی سمجھ کا آدمی اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے اور دونوں کو برابر سمجھ سکتا ہی مگر صاحب درایت نکتہ شناس دونوں میں فرق بین نکال سکتا ہے۔

فقیہ اپنی رائے و استنباط پر خود ایسا اعتماد نہیں رکھتا کہ حتمی طور پر حکم لگا دے اور اُسپر عمل کرنا واجب قرار دے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا قول صاحب سیرۃ النعمان ہی نے نقل کیا ہے ھذا الذی نحن فیہ رای لا نجبر علیہ احدا ولا نقول یجب علی احد قبولہ یعنے یہ علم جسمیں ہم لوگ ہیں رائے ہی نہ اس بارہ میں ہم کسی پر جبر کرتے ہیں اور نہ

یہ کہتے ہیں کہ کسی پر اسکا قبول کرنا واجب ہے

امام ابو حنیفہ رح چونکہ فقہ کے شاغل تھے اور فقہ بھی وہ جو طریقہ اہل الرائے کا ہے
کہ بنا بر قواعد کلیہ بغیر ملاحظہ ماخذ کے تخریج مسائل کرنی جیسا کہ ہم علامہ ابن خلدون
اور شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام سے ثابت کر چکے کہ امام ابو حنیفہ رح بنا بر قواعد کلیہ منقحہ
ابراہیم نخعی تخریج مسائل کرتے تھے اور پوری توجہ انکی اسی پر تھی اور یہی حال امام ابو حنیفہ
کے شاگردوں کا ہے چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے وھذان لا یزالان علی محجۃ
ابراھیم واقرانہ ما امکن لھما کما کان ابو حنیفۃ رض یفعل ذلک وانما کان اختلافھم
فی احد الشیئین اما ان یکون لشیخھما تخریج علی مذھب ابراھیم یزاحمانہ
فیہ او یکون ھنالک لابراھیم ونظرائہ اقوال مختلفۃ یخالفان شیخھما فی
ترجیح بعضھا علی بعض فصنف محمد رحمہ اللہ وجمع رأی ھؤلاء الثلثۃ
ونفع کثیرا من الناس فتوجہ اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ الی تلک التصانیف
تلخیصا وتقریبا او شرحا وتخریجا او تاسیسا واستدلالا ثم تفرقوا الی خراسان و
ماوراء النھر فیسمی ذلک مذھب ابی حنیفۃ ۔

ترجمہ اور یہ دونوں (ابو یوسف ومحمد) ہمیشہ حتی الوسع ابراہیم نخعی اور انکے
اقران کے طریقہ پر رہے جسطرح انکے استاد ابو حنیفہ رح نے کیا باقی رہا ان دونوں
(صاحبین) کا اختلاف جو امام ابو حنیفہ سے ہوا اسکی دو صورتیں ہوئیں ایک
یہ کہ امام ابو حنیفہ رح نے بنا بر مذہب ابراہیم کے کوئی مسئلہ استخراج کیا تو وہ لوگ

(صاحبین) امام ابو حنیفہ سے اُسمیں مزاحمت کرتے ہیں (یعنے بنا بر قاعدہ ابراہیم کے یہ مسئلہ یوں ہونا چاہیئے نہ یوں) اور دوسری صورت یہ ہے کہ اُس موقع میں ابراہیم اور اُنکے اقران کے اقوال مختلف تھے تو بعض قول کو بعض پر ترجیح دینے میں وہ لوگ (صاحبین) اپنے اُستاد (ابو حنیفہ) کی مخالفت کرتے ہیں پھر امام محمد نے کتابیں تصنیف کیں اور اُنمیں ان تینوں کے اقوال جمع کیئے اور بہت لوگوں کو نفع پہنچا یا بعد اُسکے ابو حنیفہ رح کے لوگ اُنھیں تصانیف کے طرف متوجہ ہوئے اُنھیں کتابوں سے چُننا اور شرح کرنی اور مسائل نکالنے اور بنیاد قائم کرنی اور استدلال کرنا پھر وہ لوگ خراسان و ماوراالنہر میں پھیلی اور اسی کا نام مذہب ابو حنیفہ ہو گیا۔

چونکہ امام ابو حنیفہ اور اُنکے شاگردوں کی فقہ بغیر ملاحظۂ ماخذ کے بنا بر قواعد کلیہ ابراہیم نخعی کے راے سے نکالی ہوئی تھی اسیواسطے اُنھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جس علم میں ہیں وہ راے ہی ہم لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی پر اسکا قبول کرنا واجب ہے خلاف اسکے محدثین کا کسی حدیث کو صحیح کہنا کیونکہ وہاں تصریح موجود ہے کہ حدیث صحیح پر عمل کرنا واجب ہے ظفر الامانی اور شرح نخبہ کی عبارت ہم اوپر نقل کر چکے انھم اتفقوا علی وجوب العمل بکل ما صح یعنے محدثین کا اسپر اتفاق ہی کہ ہر حدیث صحیح پر عمل کرنا واجب ہی۔

اس بیان و تشریح سے ظاہر ہوا کہ محدثین کی تصحیح حدیث اور فقہا کے استنباط

مسائل دونوں ایک قسم اور برابر نہیں ہیں محدث کو بنا بر اسناد و دلائل کے حدیث کی صحت اور واجب العمل ہونے پر جزم ہوتا ہی اور فقہا کو اپنے مستنبطہ مسائل کے صحت پر خود ایسا جزم نہیں ہوتا کہ وہ اُسکو واجب العمل کہیں ۔

امام ابوحنیفہ نے خود کہا کہ میں نہیں کہتا کہ اِسکا قبول کرنا واجب ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ فقیہ جو کہتا ہے وہ اُسکی اپنی رائے محض ظنی ہوتی ہی وہ اُسپر خود پورا اعتماد نہیں کر سکتا جیسا کہ خود امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ فی الاصل مثل قرآن کے قطعی ہے جسمیں کسی کو کلام نہیں صاحب سیرۃ النعمان بھی اسکو مانتے ہیں۔ رواۃ کے واسطہ ہونے کے سبب سے اگر حدیث کی وہ قطعیت نہیں رہتی تو بھی کسی فقیہ کی اپنی ذہنی بات اُسکی برابری نہیں کر سکتی اور اس زمانہ میں تو فقہ حدیث کی پاسنگ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ فقہ اصل میں ایک شخص کی رائے محض ظنی کتب متداولہ میں جو وہ مذکور ہی وہ محض بلا اسناد خود مصنفین کی عدالت اور انکا ضبط معلوم نہیں خود اُنکے آپسمیں مزید اختلاف کوئی کہتا ہی کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا اور کوئی کہتا ہے کہ یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا کوئی کہتا ہی کہ اسپر فتوٰی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اُسپر فتوٰی ہے کتاب الحج امام محمد کی جسپر صاحب سیرۃ النعمان بڑا زور و شور دکھاتے ہیں امام محمد سے بسند متصل یہ کتاب منقول نہیں اور نہ انکی کتب مشہورہ میں اسکا نام ہی جسکا صاحب سیرۃ النعمان کو بھی اقرار ہے۔ خلاف اسکے حدیث رسول معصوم کہ اصل میں مثل قرآن کے قطعی نقاد محدثین نے بسند متصل آنحضرت صلعم

تک اسکی روایت کی اُن نقاد محدثین کی کتابیں اپنے مصنفوں تک متواتر (جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ میں بذیل ذکر صحیحین لکھا ہے انہما متواتران الی صاحبیھما) پھر چاروں مذہب کے فقہا و محدثین کی تحقیق اور تفتیش و تنقید و بحث پھر انکا صحیحین کی حدیثوں کے صحت پر اجماع و اتفاق ان باتوں کو جانکر کون کہہ سکتا ہے کہ فقہ و حدیث ظنی ہونے میں برابر ہیں۔

شاید صاحب سیرۃ النعمان اس موقع میں یہ کہیں کہ راویوں کی روایت سچ سمجھنا تو محدثین کی اپنی رائے ہی تو جواب اسکا یہ ہے کہ شخص عادل و ضابط کے بیان پر وثوق کرنا اور سچ سمجھنا تو نصی و اتفاقی مسئلہ ہے گواہ عادل کی گواہی پر حکم کرنا نصی اور اتفاقی امر ہے دو گواہ عادل کی گواہی پر حکم کرنا تو قرآن کا مسئلہ ہے جبکے بنا پر بخاری کی حدیثیں صحیح سمجھنی اور حکم صحت کرنا ضرور ہے کیونکہ اُنمیں ہر طبقہ میں دو راوی عادل ہیں الا ماشاء اللہ مسائل شرعیہ و لادت رویت ہلال رمضان میں ایک شخص عادل کی گواہی پر حکم کرنا متفق علیہ ہے صحابہ رسول اللہ صلعم ایک ایک شخص ہدایت کے لیئے جاتے تھے اور آنحضرت صلعم کی حدیثیں بیان کرتے تھے ہرقل بادشاہ روم کے پاس آنحضرت کا خط ایک شخص دحیہ کلبی لیکر گئے یہ نصوص شرعیہ دلیل ہیں اسکی کہ حدیث ایک راوی عادل کی روایت بھی شرعًا ماننی ضرور ہے چنانچہ اسکی بحث کتب اصول میں نہایت طول و بسط کے ساتھ موجود ہے اور اسمیں حنفیوں کو بھی اتفاق ہے خلاف اسکے فقہ کہ کسی راوی کی روایت سے اسکو ماننا تو درکنار امام ابو حنیفہ رح

کہتے ہیں کہ خود مجھسے سُنکر اسکا قبول کرنا ضرور نہیں یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث
ضعیف کے مقابلہ میں بھی اپنی رائے کوئی چیز نہیں سمجھتے اور ایسے ہی امام احمد
وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ علامہ سخاوی لکھتے ہیں احتج رحمہ اللہ بالضعیف
حیث لم یکن فی الباب غیرہ وتبعہ ابی داؤد وقدماہ علی الرای والقیاس ویقال
عن ابی حنیفۃ ایضاً ذلک وعن الشافعی یحتج بالمرسل اذا لم یجد غیرہ ترجمہ
امام احمد نے حجت پکڑی ہے ساتھ حدیث ضعیف کے جہاں اس بارہ میں سوا
اسکے نہیں ملی اور انہیں کی روش چلے ابو داؤد اور دونوں نے حدیث ضعیف
کو رائے وقیاس پر مقدم کیا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہ منقول ہے اور امام
شافعیؒ نے مرسل سے احتجاج کیا ہے جب سوا اُسکے کوئی حدیث نہیں ملی۔
مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی بھی شرح مختصر میں لکھتے ہیں لان الخبر یقین باصلہ
وانما دخلت الشبہۃ فی نقلہ والرای مختلف باصلہ محتمل فی کل وصف علی الخصوص
فکان الاحتمال فی الرای اصلا وفی الحدیث عارضا فلا بد ان یقدم الحدیث الضعیف
علی القیاس ترجمہ حدیث اصل میں یقینی ہے اور شبہہ صرف اسکے نقل وحکایت
میں واقع ہوا ہے اور رائے اصل میں مختلف ہے اور خاصکر ہر بات میں محتمل ہے تو
رائے میں احتمال اصلی ٹھہرا اور حدیث میں عارضی لہذا ضرور ہے کہ حدیث
ضعیف قیاس مجتہد پر مقدم کیجائے۔
پھر اُسی کتاب میں لکھا ہے عن احمد انہ یعمل بہ اذا لم یجد غیرہ وذکر

ابن حزم الاجماع علی ان مذھب ابی حنیفۃ ان ضعیف الحدیث عندہ اولی من الرائی والقیاس ترجمہ امام احمد سے مروی ہی کہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جا ئیگا جب اُسکے سوا نہیں پائی جائیگی۔ اور امام ابن حزم نے ذکر کیا کہ اتفاق ہی اسپر کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہی کہ حدیث ضعیف اُنکے نزدیک مجتہد کی راے وقیاس سے اعلیٰ ہے یہاں سے وہ بات بھی غلط ٹھہری جو صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہی کہ امام ابوحنیفہ کا قول ھذا الذی نحن فیہ رأی عام ہے فقہ وحدیث دونوں کو شامل ہے کیونکہ جب امام ابوحنیفہ حدیث ضعیف کو راے سے اولے کہتے ہیں تو عموماً حدیث وفقہ کو برابر کیونکر ٹھہرائینگے پھر یہ تقابل کیونکر ٹھیک ہو گا۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اس موقع میں یہ بات بھی کہی ہے کہ محدثین میں تصحیح وتضعیف احادیث میں جو اختلاف ہی وہ اختلاف فی الاصول پر مبنی ہے ایسے ہی ابن الجوزی کا بعض حدیث صحیح کو موضوع کہدینا اسی اصولی اختلاف پر مبنی ہی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ناواقفیت صاحب سیرۃ النعمان کی ہی فروع میں اختلاف اگر اسی پر مبنی ہو کہ اصول میں اختلاف ہی تو امام ابوحنیفہؒ نے جو بعض مسائل میں اپنے قول سے خود رجوع کیا اور اپنے قول اول کے خلاف کہا تو کیا وہ اختلاف اقوال اختلاف اصول پر مبنی تھا پہلے کیا امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا اصول تھا اور پیچھے دوسرا ہوا ہرگز نہیں ہیہات صاحبین نے جو بیشتر مسائل میں امام ابوحنیفہؒ سے مخالفت کی تو کیا امام ابوحنیفہؒ اور اُنکے شاگردوں میں اصول میں اختلاف تھا۔

تصحیح احادیث میں جو اختلاف بین المحدثین ہوا اُسکی چند وجہ ہوئی مثلاً جنھوں نے تضعیف کی اُنکو وہ حدیث بسند ضعیف پہونچی اور جنھوں نے تصحیح کی اُنکو دوسری سند قوی سے وہ حدیث پہنچی یا دونوں کو ایک ہی سند ضعیف سے حدیث پہنچی مگر تصحیح کرنے والے کو اُس حدیث کے شواہد و متابعات روایتیں ملگئیں اور تضعیف کرنے والے کو وہ شواہد اور متابعات نہ ملیں چنانچہ حسن لذاتہ و حسن لغیرہ معروف ہے یا دونوں کو وہ شواھد ملیں مگر تضعیف کرنے والے نے باعتبار سند خاص و متن خاص کے تضعیف کی چنانچہ جامع ترمذی میں اکثر یوں ہے کہ غریب بھذا اللفظ اسکے یہی معنی ہیں کہ باعتبار متن خاص کے وہ حدیث غریب ہے اور بعض صورت یہ ہوئی کہ کسی راوی پر جرح پائے اور سبب جرح اونکو نہیں معلوم ہوا لھذا حدیث کی تضعیف کردی یا کسی امام کی جرح کسی راوی پر دیکھکر حدیث کی تضعیف کردی حالانکہ اُس امام نے اپنے قول سے رجوع کیا ہے جسکی اطلاع تضعیف کرنے والے کو نہوئی جیسے محمد بن اسحٰق کے بارہ میں امام مالک کی جرح پاکر کسی نے اُنکی روایت کو ضعیف کہدیا اور دوسرے محدثین کو سبب جرح یعنے امام مالک کا باعث باہمی رنج کے محمد بن اسحٰق کو بکلمہ درشت یاد کرنا معلوم ہوا اور پھر امام مالک کا اُس سے رجوع کرنا اور محمد بن اسحٰق سے مصالحت کرنی اور اُنکو ہدیہ دینا معلوم ہوا لھذا اُن محدثین نے اُس جرح سابق کو کالعدم سمجھکر محمد بن اسحٰق کے روایت کی تصحیح کی جیسا کہ سعز حنفی شیخ ابن الھمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے۔

اور ایک صورت اختلاف کی یہ بھی ہوئی کہ کسی کذاب یا وضاع سے کوئی حدیث سُنی اور عند التنقید اُس حدیث کی سند صحیح سے غفلت رہی اور جوش تحریر میں قلم تیز چلگیا جیسے ابن الجوزی کا بعض احادیث صحیحہ کو موضوع لکھ جانا چنانچہ علامہ سخاوی لکھتے ہیں والموقع له فی استناده فی غالبه لضعف راویه الذی رمی بالکذب مثلاً غافلاً عن مجیئه من وجه آخر یعنے ابن الجوزی کو اسمیں پڑنے کی اکثر یہ وجہ ہوئی کہ حدیث کا کوئی راوی متہم بالکذب پایا اور اُس حدیث کے بسند آخر مروی ہونے سے غفلت رہی ۔

چونکہ متاخرین سے اس قسم کی چوک ہوئی لہذا علما قائل ہیں کہ متاخرین کے اقوال کی بنا پر حکم لگانا مشکل ہے بلکہ اسمیں غور و تفتیش چاہیئے بخلاف ائمہ متقدمین (جنمیں سے ارباب صحاح ستہ ہیں) کے اُنکی تصحیح و تضعیف البتہ اعتماد کے قابل ہے چنانچہ علامہ سخاوی بعد بیان حال ابن الجوزی کے لکھتے ہیں ولذا کان الحکم من المتاخرین عسیراً جداً وللنظر فیه مجال بخلاف الائمة المتقدمین الذین منحهم الله التبحر فی علم الحدیث والتوسع فی حفظه کشعبة والقطان وابن مهدی ونحوهم و اصحابهم مثل احمد وابن المدینی وابن معین وابن راهویه وطائفة ثم اصحابهم مثل البخاری ومسلم وابی داؤد والترمذی ونسائی وهکذا الی زمن الدارقطنی والبیهقی ولم یجئ بعدهم مساو لهم ولا مقارب افاده العلائی وقال فمتی وجدنا فی کلام احد من المتقدمین الحکم به کان معتمداً لما اعطاهم الله من الحفظ العزیز

ترجمہ اسیوجہ سے متاخرین سے حکم لگانا بہت مشکل ہے اور غور وبحث کو اوسمیں دخل ہی خلاف ائمہ متقدمین کے جنکو اللہ پاک نے علم حدیث میں تبحر اور بہت بڑا حافظہ بخشا ہے جیسے شعبہ و قطان و ابن مہدی اور اُنکے امثال واصحاب جیسے امام احمد وابن مدینی وابن معین وابن راہویہ اور ایک جماعت پھر اُنکے اصحاب جیسے بخاری مسلم ابو داؤد ترمذی نسائی اسیطرح دارقطنی اور بیہقی کے زمانہ تک بعد ان لوگوں کے کوئی انکی برابر یا قریب درجہ کا بھی نہیں ہوا امام علائی نے یہ ذکر کیا اور کہا کہ جب ان متقدمین سے کسی کے کلام میں کوئی حکم حدیث کی نسبت پاوینگے تو وہ معتبر ہوگا کیونکہ اللہ پاک نے اُن لوگوں کو بہت بڑا حافظہ بنایا ہے ۔

حدیث مرفوع

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہی کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو) ـــــ

میں کہتا ہوں کہ اس جملہ سے آپ کی کیا غرض ہے اگر یہ مراد ہے کہ حدیث مرفوع کی صحت کے لیئے اتصال شرط ہی تو مرفوع کی کیا تخصیص ہی ہر خبر کی صحت کے لیئے اتصال شرط ہے اور اگر یہ غرض ہے کہ حدیث کے مرفوع ہونے کے لیئے اتصال شرط ہے تو محض غلط ہے کیونکہ حدیث مرفوع کی تعریف ائمہ فن نے یہ لکھی ہے کہ جو قول یا فعل یا تقریر رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب ہو ۔ علامہ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں ھو ما اضیف الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خاصّۃً یعنے

مرفوع وہ ہے جو خاصکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو۔ اور علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں ھو کل ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولا او فعلا او تقریرا مرفوعا یعنے جو رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب ہو قول خواہ فعل خواہ تقریراً اسکا نام مرفوع ہے۔ اور مختصر جرجانی میں ہے المرفوع ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ من قول او فعل او تقریر صاحب سیرۃ النعمان اس موقع میں لکھتے ہیں (لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کیئے گئے ہیں اُن میں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں صحابہ کے ان الفاظ کو یہ امر سنت ہے ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا ہم اس بات سے روکے گئے تھے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے۔ ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے۔ اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ اصل یہ ہے کہ اہل حدیث وحنفیہ کے درمیان جو مسائل میں مخالفت ہوئی اور محدثین کی طرف احادیث صحیحہ موجود تھیں اور حنفیوں کو کوئی مفر نہیں ملا تب اُنھوں نے اسی قسم کے احتمالات باردہ احادیث میں نکالے اسی کو دیکھیئے کہ صاحب سیرۃ النعمان صحابہ کے ان کلمات (ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا۔ ہم اس بات سے روکے گئے تھے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے وغیرہ) کو لکھتے ہیں کہ صحابہ کے ظن واجتہاد پر مبنی ہیں جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ صحابی کی کچھ کوئی دلیل نہیں بھلا کوئی تھوڑی عقل کا آدمی بھی یہ بات کہسکتا ہے کہ انسان کا یہ قول

کہ ہمکو ایسا حکم دیا گیا تھا یا ہم لوگ اسطرح کرتے تھے اُس شخص کے گمان پر مبنی ہے یا اوس شخص کی یہ سمجھ اور اپنی ذہنی بات ہی یہ صاحب سیرۃ النعمان کی کمال نافہمی یا مزید اعتساف اور ناحق پسندی کی دلیل بیّن ہے چنانچہ صحابہ کے اس قسم کے اقوال کو کسی نے ظنی اور اجتہادی نہیں کہا بلکہ حنفیوں نے الزام سے بچنے کے لیئے صحابہ کے اقوال (من السنۃ کذا۔ امرنا بکذا۔ نہینا عن کذا۔ وغیرہ) میں یہ احتمالات نکالے کہ اسمیں یہ احتمال ہے کہ خلفا کی سنت مراد ہو یا آمر اور ناہی خلفا ہوں چنانچہ عینی حنفی نے ایتار اقامت کی حدیث کے جواب میں اسی احتمال کو آڑ بنایا ہے۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی عینی کے اس قول پر نہایت تعجب کیا ہی ظفر الامانی میں لکھتے ہیں فقول العینی من اصحابنا فی شرح کنز الدقائق لاحجۃ للشافعیۃ فی ھذا الحدیث لانہ لم یذکر الآمر فیحتمل ان یکون غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہٰی عجیب عن مثلہ **ترجمہ** ہمارے حنفیوں میں سے عینی کا کنز الدقائق کی شرح میں یہ کہنا کہ اس حدیث میں شافعیوں کی دلیل نہیں ہی کیونکہ آمر مذکور نہیں اور احتمال ہے کہ آمر (حکم کرنیوالا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا ہو عینی جیسے شخص سے یہ بات نہایت تعجب کی ہے۔

میں اس بحث میں مولوی عبدالحیّ صاحب ہی کی عبارت نقل کرنی مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ اولا وہ حنفی ہیں اور خود صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۱۵ میں اُنکی شہادت قبول کی ہے پس اُنکی شہادت اس بارہ میں زیادہ معتبر ہوگی۔ دوسرے

ائمہ حدیث علامہ ابن صلاح وغیرہ کا کلام انکی عبارت میں منقول ہے ظفر الامانی
میں لکھتے ہیں قول الصحابی من السنۃ کذا ونحوہ اختلفوا فیہ فذہب ابو بکر
الرازی والسرخسی وابو زید الدبوسی وغیرہم من اصحابنا والصیرفی من
الشافعیۃ وابن حزم المغربی من اہل الظاہر وغیرہم الی انہ لا یکون حجۃ
للرفع وہو الذی رجع الیہ الشافعی علی ما ذکرہ بعض الشراح المختصر لکن المنصوص
فی امہ ہو الرفع ولذا رجحہ الاسنوی فی شرح المنہاج واستدلوا علی ذلک
علی ما ہو المذکور فی کتب اصحابنا المتاخرین بان السنۃ ترددت بین النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وبین سنۃ الخلفاء واشتہر استعمالہا فیہما فی الصدر الاول کما
دل علیہ قولہ علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین
الی ان قال ہذا ہو تقریر اصحابنا والذی ذہب الیہ ائمۃ الحدیث واستظہرہ
ابن الصلاح ہو ان قول الصحابی من السنۃ کذا من دون تقیید بالخلفاء ونحوہ
حجۃ للرفع وانہ للاتصال وہو قول الاکثر حتی اطلق الحاکم والبیہقی اتفاق
اہل النقل علی ذلک ونقل ابن عبد البر فیہ الاجماع والعدل الشاہد لہ ما
روی فی صحیح البخاری ان الحجاج عام نزل بابن الزبیر سئل عبد اللہ بن عمر
کیف تصنع فی الموقف یوم عرفۃ فقال سالم ان کنت ترید السنۃ فہجر بالصلوۃ
یوم عرفۃ فقال ابن عمر صدق انہم کانوا یجمعون بین الظہر والعصر
قال ابن شہاب الراوی فقلت لسالم افعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ

وسلم فقال سالم او یعنون بذلک الاسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی
الٰہ وسلم فانظر کیف نقل سالم بن عبد اللہ عن الصحابۃ انہم اذا اطلقوا ذلک
لا یریدون بہ الا سنۃ صاحب الشرع صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم قال و
الاحسن عندی فی ھذا المبحث مذہب ائمۃ الحدیث و علیہ اعتمادی وھذا
من ایفاء وعدی فللہ الحمد انتہی ملخصاً **ترجمہ** صحابی کا یہ کہنا کہ یہ امر سنت ہے
یا اس قسم کے جملے۔ لوگ اسمیں مختلف ہوئے ہیں حنفیوں میں سے ابو بکر رازی اور
سرخسی و ابو زید دبوسی وغیرہ اور شافعیوں میں سے صیرفی اور ظاہریوں میں سے
ابن حزم وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ صحابی کا اسطرح کہنا مرفوع ہونے کی دلیل نہیں
ہے اور بعض شارح مختصر نے کہا ہے کہ امام شافعیؒ نے اس طرف رجوع کیا۔ لیکن
امام شافعی کی کتاب ام میں صریح ہے کہ ایسی حدیث مرفوع ہے اسلیئے اسنوی
نے منہاج کی شرح میں امام شافعی کے مرفوع کہنے کو ترجیح دی ہے ہمارے متاخرین
حنفیہ کی کتابوں میں مرفوع نہونے کی دلیل یہی مذکور ہے کہ یہ لفظ سنت رسول اللہ
صلعم اور سنت خلفاء راشدین دونوں میں بولا گیا۔ اور صدر اول میں اسکا استعمال
دونوں میں مشہور ہوا جیسا کہ دلالت کرتا ہے اسپر فرمودہ رسول اللہ صلعم عَلَیْکُمْ
بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین یہاں تک کہ کہا کہ ہمارے حنفیوں کی یہی تقریر
ہے اور جسطرف ائمہ حدیث گئے ہیں اور علامہ ابن صلاح نے اُسی کو قوی مانا ہے
وہ یہ ہے کہ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ امر سنت ہے بلا قید خلفا وغیرہ کے مرفوع ہونے کی

دلیل اور اتصال کی علامت ہی اور یہ بہت لوگوں کا قول ہے حتّی کہ حاکم و بیہقی نے
کہا کہ اہل حدیث کا اسپر اتفاق ہے اور علامہ ابن عبد البر نے اس بارہ میں اجماع
نقل کیا ہے اور کہا کہ اسپر شاہد عادل صحیح بخاری کی روایت ہی کہ جس سال حجاج نے
عبد اللہ بن زبیرؓ پر چڑھائی کی تھی عبد اللہ بن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ عرفہ کے دن
موقف میں کسطرح کریگا آپکے بیٹے سالم بولے کہ اگر تو سنت کا طالب ہی تو عرفہ کے
دن سویرے نماز پڑھ لے حضرت عبد اللہ بن عمر نے اُسپر کہا سالم سچ کہتے ہیں وہ
لوگ ظہر اور عصر کو جمع کرتے تھے ابن شہاب کہتے ہیں کہ مینے سالم سے پوچھا کہ
رسول اللہ نے کیا یہ کیا ہے سالم نے کہا کہ صحابہ رسول اللہ جب لفظ سنت بولتے
تھے تو مراد اُنکی سنت رسول اللہ ہی ہوتی تھی دیکھو حضرت عبد اللہ بن عمر کے
بیٹے صحابہ سے کسطرح نقل کرتے ہیں کہ وہ لوگ جب بطلق لفظ سنت بولتے تو
مراد اونکی صرف سنت رسول اللہ ہوتی —

مولوی عبد الحیؔ صاحب کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس بحث میں ائمہ الحدیث
کا مذہب بہت اچھا ہے مجکو اُسی پر اعتماد ہے شکر خدا کا یہ میرا وعدہ پورا ہوتا ہی۔
علامہ سخاوی نے اسکو اور زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ اس موقع میں صاحب
سیرۃ النعمان کے طرز محدثانہ مورخانہ کو لوگ دیکھیں امام شافعی کا قول جو خاص
اونکی کتاب میں موجود ہے اوسکو تو آپنے اوڑا دیا اور قول بلا سند جسکا کوئی ثبوت
نہیں آپنے نقل کردیا اور جزماً لکھدیا کہ امام شافعی نے صحابہ کے اس قول کو کہ

فعل سنت ہے حدیث مرفوع نہیں قرار دیا۔ صاحب سیرۃ النعمان کے صدق خواہ تحقیق کسی کا یہاں اندازہ کرنا چاہیئے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اس موقع میں یہ بھی لکھا ہے (کتب سیر واحادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ جن میں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیئے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی۔ بلکہ خود اُنکا قیاس واجتہاد تھا) میں کہتا ہوں کہ یہ بات محض غلط ہے۔ صاحب سیرۃ النعمان برسوں کوشش کرینگے جب بھی کوئی روایت بہ سند صحیح ایسی نہ نکال سکیں گے جس میں صحابی نے یہ الفاظ کہے ہوں۔ اور وہ صرف اُنکا قیاس واجتہاد ہو صاحب سیرۃ النعمان ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے۔ متاخرین حنفیہ نے جو اپنے مذہب کی نصرت کے لیئے یہ احتمال نکالا کر وہ بھی اس احتمال کی کوئی دلیل صریح نہیں دے سکتے۔

بنائے فاسد علی الفاسد یہ ہے کہ صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اُسکی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کردی) میں کہتا ہوں کہ محض غلط صاحب سیرۃ النعمان کی ابلہ فریبی ہے بات یہ ہے کہ کسی صحابی نے یوں کہا کہ ہملوگوں کو حکم دیا گیا تھا اور کسی صحابی نے یوں بیان کیا کہ رسول اللہ نے ہمکو یہ حکم دیا اور یہ بھی صورت ہوئی کہ ایک ہی صحابی نے کبھی یوں کہا کہ فلان کو یہ حکم ہوا تھا اور کبھی یون کہا کہ رسول اللہ نے فلان کو یہ حکم دیا تھا جیسے اذان کے روایت میں حضرت انس نے کبھی یوں کہا کہ بلال کو حکم ہوا تھا اور کبھی

یوں کہا کہ رسول اللہ صلعم نے بلال کو حکم دیا تھا چنانچہ یہ حدیث حضرت انس رض
سے دونوں طور پر مروی ہے۔

اصل یہ ہے کہ صاحب سیرۃ النعمان کو حدیث کی توہین اور کتب حدیث
کی بے اعتباری ثابت کرنی مقصود ہے حنفیت و نیچریت نے باہم ملکر یہ رنگ جمایا ہے
ورنہ اسکے کوئی معنی نہیں کہ مبالغین تذکرہ نویسوں کی کتابیں (جنکے ارباب مبالغہ
ہونے کا آپ کو خود اقرار ہے صفحہ ۶۸) اور انکی روایتیں آپ محقق قرار دیں اور انمیں کسی قسم
کا احتمال آپ کو نہ پیدا ہوا اور امام صاحب کا اصول قائم کرنا جسکی کوئی سند نہیں علما
کی تصریحات اُسکے خلاف موجود وہ آپکے نزدیک نہایت صحیح و ثابت ہے۔ امام محمد
کی کتاب الحجج جسکی نہ کہیں سند ہے نہ علما نے کبھی اسکی طرف اعتنا کیا وہ آپکے نزدیک
محقق و معتبر اور حدیث کی ایسی کتابیں جنکے علما طبقہ بعد طبقہ خدمت کرتے رہے
جو اپنے مصنفوں تک متواتر جن کی صحت پر امت محمدی صلعم نے اتفاق کیا جن کے
مصنفین کا فن حدیث میں تبحر اور کمال حفظ و اتقان و سیلان ذہن میں مرتبہ علیا
کو پہنچنا محدثین کیا عامہ فقہا کا بھی مسلّم و متفق علیہ۔ اُن پر آپ کی یہ نکتہ چینیاں
فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

اسی کو دیکھئے کہ صحابہ رسول اللہ صلعم کے اس قول ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلعم
کے زمانہ میں فلاں کام کرتے تھے ایک احتمال محض بعید کہ شاید رسول اللہ کو اسکی
اطلاع نہو نکالکر آپنے ایسی حدیث کو مشتبہ ٹھہرایا ہے اور ایسے ایسے احتمالات بعیدہ

شریعت میں نکالنی اسی کا نام آپنے اجتہاد رکھا ہے اگر شریعت محمدی صلعم میں
ایسے ایسے احتمالات نکالے جائیں تو ضروریات دین میں ایسے احتمالات نکلینگے اور
اگر جمہور کے مقابلہ میں بعض لوگوں کا اختلاف بنا بر ایسے احتمال کے معتبر ہو تو ابوبکر
صدیق کے افضل الصحابہ ہونے میں بھی بعض کا اختلاف موجود ہے۔ فافہم وتفکّر

روایت معنعن

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (معنعن روایتوں میں اتصال ثابت ہونا نہایت
مشکل ہے حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں۔ امام بخاری کے اصول کے
موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جنمیں لقا نہیں ثابت ہے مقطوع ہیں)
میں اس موقع میں اولا علما کے اقوال نقل کرتا ہوں علامہ ابن صلاح اپنے مقدمہ
میں لکھتے ہیں الاسناد المعنعن وھو الذی یقال فیہ فلان عن فلان عدہ بعض الناس
من قبیل المرسل والمنقطع حتی یتبین اتصالہ بغیرہ والصحیح الذی علیہ العمل انہ
من قبیل الاسناد المتصل والی ھذا ذھب الجماھیر من ائمۃ الحدیث وغیرھم واودعہ
المشترطون للصحیح فی تصانیفھم فیہ وقبلوہ وکاد ابو عمر وابن عبد البر الحافظ
یدعی اجماع ائمۃ الحدیث علی ذلک وادعی ابو عمرو الدانی المقری الحافظ اجماع
اھل النقل علی ذلک وھذا بشرط ان یکون الذین اضیفت العنعنۃ الیھم قد ثبت
ملاقاۃ بعضھم بعضا مع براءتھم من وصمۃ التدلیس **ترجمہ** اسناد معنعن یعنی جسمیں
فلاں عن فلاں ہے بعض شخصوں نے اسکو مرسل ومنقطع کی قسم گنا ہے اور صحیح جسپر عمل ہے

یہ ہے کہ وہ اسناد متصل کی قسم ہے اور یہی مذہب ہے جمہور محدثین اور اُنکے سوا کا
اور جن محدثین کو حدیث صحیح کی قید ہے وہ ایسی روایتیں اپنی تصنیفات میں لائے ہیں
اور قبول کیا ہے حافظ ابن عبدالبر کا تو یہ دعوی ہے کہ ائمہ حدیث کا اسپر اجماع ہے
اور حافظ ابو عمرو دانی مقری نے دعوی کیا ہے کہ اسپر اہل حدیث کا اجماع ہے اور یہ بایں
شرط ہے کہ جن راویوں سے عنعن کر کے روایت ہے انکی آپسمیں ملاقات ثابت ہو اور وہ لوگ
تدلیس سے بری ہوں -

صاحب سیرۃ النعمان کا یہ قول (امام بخاری کے اصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام
معنعن روایتیں جنمیں لقا نہیں ثابت ہے مقطوع ہیں)

میں کہتا ہوں کہ کسی اصولی مسئلہ میں اختلاف ہونے کو یہ لازم نہیں ہے کہ صحیح مسلم
میں ایسی معنعن روایتیں موجود ہیں جنمیں لقا ثابت نہو امام مسلم نہ ساری حدیثیں جو اُنکے
نزدیک صحیح تھیں اپنی کتاب میں لائے اور نہ کل احادیث صحاح کا استیعاب اُنکو مقصود
تھا بلکہ صحیح مسلم میں وہی حدیثیں امام مسلم لائے جنکی صحت پر اتفاق تھا چنانچہ صحیح مسلم
میں یہ صراحۃً مذکور ہے صاحب سیرۃ النعمان اگر اسکے خلاف کہتے ہیں تو صحیح مسلم کی کوئی روایت
معنعن ایسی پیش کریں جسمیں لقا ثابت نہو لطف یہ ہے کہ آپنے اس طور پر (مسلم کی وہ تمام
معنعن روایتیں) کہا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسی روایتیں صحیح مسلم میں بکثرت
ہیں حاشا وکلا یہ سب آپ کی بدظنی اور سوء اعتقادی پر مبنی ہے جو آپ کو حدیث رسول اللہ
صلعم اور محدثین کے ساتھ ہے ۔ علاوہ میں کہتا ہوں کہ یہ سب باتیں آپنے اسی غرض

سے کہی ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے انہیں وجہوں سے خبر احاد کے قبول کرنے میں تردد
کیا لہذا محدثین سے اور اُنسے مخالفت ہوئی چنانچہ صفحہ ۱۹۰ میں آپ لکھتے ہیں (اخبار احاد
کی بحث کو ہمنے قصداً اسلیئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ
پر رد و قدح کرتے ہیں) حالانکہ یہ بات محض غلط ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے خبر احاد
کے قبول کرنے میں تردد ان وجوہ سے کیا لہذا محدثین سے اور اُنسے مخالفت ہوئی
امام ابو حنیفہؒ نے تو ایسی معنعن روایتیں قبول کیں جنمیں راوی و مروی عنہ کا لقا تو درکنار
ایک زمانہ میں ہونا بھی نہیں پایا جاتا کتاب الآثار امام محمد میں موجود ہے محمد قال اخبرنا
ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن عمر بن الخطاب انہ قال ما احب انی ترکت الوتر
بثلاث وان لی حمر النعم قال محمد وبہ ناخذ ترجمہ خبر کی مجکو ابو حنیفہ نے حماد
سے اور اُنہوں نے ابراہیم سے اُنھوں نے عمر بن الخطاب سے کہ اُنھوں نے کہا کہ تین رکعت
کی وتر چھوڑنے مجھے پسند نہیں اگرچہ مجکو بہت عمدہ چیز ملجاے امام محمد نے کہا کہ ہم
لوگ اسی روایت کو لیتے ہیں۔

یہ روایت معنعن ہے اور ابراہیم کو حضرت عمر فاروق سے لقا تو درکنار معاصرت یعنی
ایک زمانہ میں ہونا بھی نہیں ہے۔

دوسری روایت محمد قال اخبرنا ابو حنیفۃ قال حدثنا حماد عن ابراھیم
عن عمر بن الخطاب کان یقول حسنوا اصواتکم بالقرآن و بہ ناخذ۔ **کتاب الآثار**

تیسری روایت محمد قال اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن

عمر بن الخطاب انہ انما نھی عن الافراد فاما القران فلا یعنی بقولہ نھی عن الافراد افراد العمرۃ ۔ کتاب الآثار ۔ تقریب التہذیب میں ابراہیم کو چھٹے طبقہ میں لکھا ہے اور اس قسم کی روایتیں بہت ہیں جنکو امام ابو حنیفہ نے بلا تردد قبول کیا امام محمد کی تصنیفات سے اسکا پتہ چلتا ہے اور اسکو تو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ مرسل اور منقطع کو نہیں چھوڑتے تھے قطع نظر اقوال علما کے امام محمد کی تصنیفات اسپر شاہد ہیں کتاب الحجج میں امام محمد نے اہل مدینہ کا مقابلہ ایسی ہی روایتوں سے کیا ہے جنمیں سوا بلغنا (ہمکو خبر پہنچی ہے) کے سند کا نام و نشان نہیں ہے جسکی دو ایک مثال نہیں بلکہ گویا وہ ساری کتاب اسی قسم کے استدلال سے بھری ہے ۔

امام ابو حنیفہ کو اگر حدیث ضعیف بھی ملجاتی تو اپنی راے پر اُسکو مقدم کرتے باقی رہا یہ امر آخر ہے کہ بنا بر مصلحت وقت و مشورہ احباب کے طلب حدیث کی طرف توجہ ہی کی اور یہ بھی بات تھی کہ امام ابو حنیفہ کا شغل تجارت لاکھوں کا کاروبار تھا جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۳۷ اور چند مقام میں لکھا ہے ایسے شخص کو طلب حدیث کے لیئے عراق حجاز مصر یمن شام کا سفر کرنا اور علم حدیث کی طالب العلمی میں برسوں کاٹنا اور احادیث حفظ کرنی اور زحمت طول سفر اُٹھانی دشوار بلکہ ناممکن کہنا چاہیئے اُسوقت حدیث کا ایک جگہہ مجموعہ تو تھا ہی نہیں کہ اُسکو منگا کر انسان فن حدیث میں شعور پیدا کر لیتا اُس زمانہ میں تو محدثین اہل روایت مقامات مختلفہ میں رہتے تھے اور حدیثوں کے حافظ ہوتے تھے کسی کے پاس اجزا بھی ہوتے تو ایسے نہیں کہ ایک مجموعہ حدیثوں کا

پورا یا قدر معتد مرتب ہو
امام ابو حنیفہ کی وضع اور گذران بھی ایسی نہ تھی کہ علم حدیث کی طالب العلمی کے مشقت کے
وہ متحمل ہوسکتے امام صاحب کی وضع اور گذران خود صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۰۷
میں لکھا ہے (مزاج میں تکلف تھا اور اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب
وقاقم کے جُبے بھی استعمال کرتے تھے ابو مطیع بلخی اُنکے شاگرد کا بیان ہے کہ مینے
ایک دن اُنکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی
ایک دن نصر بن محمد اُنسے ملنے گئے امام صاحب کہیں باہر جانے کی طیاری
کر رہے تھے اُنسے کہا کہ ذرا دیر کے لیئے اپنی چادر مجھے دیدو واپس آئے تو شکایت کی
کہ ناحق تمھاری چادر لیکر مجکو شرمندہ ہونا پڑا اُنھوں نے کہا کیوں فرمایا کہ بہت گندہ
ہے نصر کہتے ہیں کہ مینے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجکو اُسپر ناز تھا اسلیئے امام صاحب
کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب مینے اُنکو ایک چادر اوڑھے دیکھا
جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا خلیفہ منصور نے درباریوں کے لیئے خاص
قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنتی تھیں اور اُنپر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا
چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو ولامہ شاعر نے ظرافتہً کہا ؎ وکنا نرجی من امام
زیادۃ ٭ فزاد الامام المرتضی فی القلانس ٭ یعنے ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید
تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں
بھاگتے تھے لیکن اِس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امرا کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال

کرتے تھے دنیا دار دولتمندوں کے لیئے تو ایک معمولی بات ہی لیکن علما کے دائرہ میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں)۔

میں کہتا ہوں کہ بھلا جو شخص قاقم و سنجاب پہنتا ہو جبکا لباس ایک ایک جوڑا چار چار سو درہم کا ہو جو پانچ اشرفی کی چادر کو گندہ کہتا ہوا اُسکو اوڑھکر کہیں جانے میں شرماتا ہو ایسا شخص طالب العلمی کیا کریگا اور وہ بھی اُس زمانہ میں فن حدیث کی طالب العلمی کہ حفاظ حدیث مختلف بلاد و شہروں میں تھے کہیں حدیث کا ایک جگہہ مجموعہ نہ تھا لہذا امام ابوحنیفہ رح نے اسی کو غنیمت جانا کہ حماد فقیہ کوفہ کی مجلس میں جاتے اور اُنکے مسائل اور اُنکے اُستاد ابراھیم نخعی کے مسائل اور قواعد یاد کرتے پھر اپنی ذہانت و طباعی سے بنا بر اُنہیں مسائل اور قواعد کے استخراج مسائل کرتے اور فتوٰی دیتے جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ سے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں اسی لحاظ سے امام ابوحنیفہ رح نے خود کہا ھذا الذی نحن فیہ رای یعنے جس علم میں ہم لوگ شاغل ہیں وہ رائے ہے نہ حدیث رسول اللہ صلعم نہیں ہے جسکو صاحب سیرۃ النعمان نے خود نقل کیا ہے خلاف اسکے طالبین حدیث کہ حفاظ حدیث کی تلاش میں اُنکو عراق۔ حجاز۔ مصر۔ یمن۔ شام کا سفر کرنا پڑا چنانچہ امام شافعی کا حال ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری رح کا حال لکھتے ہیں قال سھل بن السری قال البخاری دخلت الی الشام و مصر والجزیرۃ مرتین والی البصرۃ اربع مرات واقمت بالحجاز ستۃ اعوام ولا احصی

لکہ دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین **ترجمہ** سہل بن سری کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا کہ میں شام مصر جزیرہ دو دفعہ گیا اور بصرہ چار دفعہ اور حجاز (مکہ مدینہ) میں چھ برس اقامت کی اور کوفہ بغداد تو اتنی دفعہ محدثین کے ساتھ گیا جسکو میں گن نہیں سکتا۔ اور علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں رحل فی طلب الحدیث الی اکثر محدثی الامصار وکتب بخراسان والجبال ومدن العراق والحجاز ومصر والشام وقدم بغداد واجتمع الیہ اھلھا واعترفوا بفضلہ وشہدوا بتفردہ فی علم الروایۃ والدرایۃ **ترجمہ** حدیث کی طالب العلمی میں امام بخاری نے اکثر محدثین امصار کی طرف سفر کیا اور خراسان میں اور پہاڑوں میں اور عراق حجاز مصر شام کے شہروں میں لکھا پڑھا اور بغداد میں آئے وہاں کے لوگ اُنکے پاس اکٹھے ہوئے اور سبھوں نے اُنکے فضل کا اقرار کیا اور کہا کہ یہ شخص علم روایت اور درایت دونوں میں یکتا ہے۔
علاوہ یہ بات کسی کے لکھنے پر کیا موقوف ہے یہ تو عیاں راچہ بیاں ہے۔ امام بخاری کی کتابیں موجود ہیں اِن میں آدمی دیکھ سکتا ہے کہ امام بخاری نے کہاں کہاں کے محدثین سے روایت کی ہے یہ بات ویسی تھوڑی ہی ہے کہ جھوٹھے تذکرہ والوں نے لکھدیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فلاں فلاں کی شاگردی کی اور فلاں فلاں کی صحبت اُٹھائی اور اُنکے اساتذہ کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں ہے۔
سیرت اور وضع کو لحاظ کیجیے تو محدثین باعث اشتغال حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گونہ صحبت رسول کی کیفیت اُنکو حاصل ہوئی تھی مولانا محمد اسمعیل شہید

صراط المستقیم میں بذیل ذکر محدثین فرماتے ہیں بنوعی فائدہ مصاحبت حضرت ایشاں دریافتہ مقبول بارگاہ رسالت مآب شدہ اند اور ملا علی قاری نے لکھا ہے اھل الحدیث اھل رسول اللہ لہذا محدثین کی سیرتیں وشمائل وعادات وضع آنحضرت وصحابہ آنحضرت کے مشابہ تھیں وہی بے تکلفی وہی سادہ وضعی وہی کہنہ پوشی وہی گندہ پسندی وہی سختی گذران حدیث کی طلب میں پیر اُنکے پھٹے ہوئے اس موقع میں حالی کے بعض اشعار مجکو یاد پڑ گئے اور اُنکا نقل کرنا اچھا معلوم ہوا

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جسمیں چھوٹا بڑا کوئی پودا

حافظ سیوطی تاریخ الخلفا میں بذیل ذکر منصور خلیفہ جسکے زمانہ میں امام ابوحنیفہ تھے لکھتے ہیں قیل للمنصور ھل بقی من لذات الدنیا شیٔ لم تنله قال بقیت خصلة ان اقعد فی مصطبة وحولی اصحاب الحدیث یقول المستملی من ذکرت رحمک اللہ قال فغدا علیه الندماء وابناء الوزراء بالمحابر والدفاتر فقال لستم بهم انما هم الدنسة ثیابهم المشققة ارجلهم الطویلة شعورهم برد الآفاق ونقلة الحدیث ترجمہ منصور خلیفہ سے کسی نے پوچھا کہ دنیا کی لذتوں میں سے کوئی ایسی بھی ہے جو آپکو نہ ملی ہو منصور نے کہا ایک بات مجکو نصیب نہوئی وہ یہ ہے کہ میں حدیث

کی درسگاہ میں بیٹھتا اور میرے گرد اہل حدیث ہوتے اور مستملی کہتا ہوتا کسکا ذکر
تمنے کیا رحمت اللہ کی ہمپر یہ سُنکر صبح کو ندیم لوگ اور وزرا کے بیٹے کتابیں لے کر
حاضر ہوئے منصور نے کہا تم لوگ وہ نہیں ہو وہ لوگ تو وہ ہیں جنکے میلے کپڑے
اور پانون پھٹے اور بال بڑھے ہوئے جہانٗ کے مسافر اور حدیث کے نقل کرنے والے
حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری کا حال لکھتے ہیں قال وراق البخاری
سمعته يقول خرجت الى آدم بن ابى اياس فتاخرت نفقتي حتى جعلت اتناول
حشيش الارض فلما كان في اليوم الثالث اتاني رجل لا اعرفه فاعطانى صرة
فيها دنانير ترجمہ وراق نے بیان کیا کہ میں نے امام بخاری رح سے سُنا کہتے تھے کہ
میں نے آدم بن ابی ایاس کے پاس جانے کو سفر کیا اور میرا زاد راہ تمام ہوگیا تو زمین کی
گھاس پات پر نوبت رہی تین دن یوں ہی کٹے تب ایک شخص آیا جسکو میں
نہیں جانتا کہ کون تھا اُسنے مجکو ایک ہمیانی دی جسمیں اشرفیاں تھیں۔
پھر اسی کتاب میں منقول ہے قال وراقه ايضا كنا بفربر وكان ابو عبد الله
يبني رباطا مما يلي بخارى فاجتمع بشر كثير يعينونه على ذلك وكان ينقل اللبن
فكنت اقول له يا ابا عبد الله انك تكفى ذلك فيقول هذا الذى ينفعنى ۔
ترجمہ وراق نے یہ بھی ذکر کیا کہ ہم لوگ فربر (مقام کا نام ہے) میں تھے
اور امام بخاری متصل بخارا کے ایک مسافر خانہ بناتے تھے تو بہت لوگ
اُنکی مدد کرنے کے لیئے جمع ہوئے امام بخاری خود اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر

لاتے میں کہتا آپ کے تکلیف کی کچھ ضرورت نہیں تو فرماتے مجکو بھی کام آیگا۔
مسجد نبوی صلعم کی تعمیر میں اور جنگ احزاب کے خندق کھودنے میں آنحضرت صلعم
کی شرکت صحابہ کے ساتھ لوگ خیال کریں تب امام بخاریؒ کے اس اتباع سنت
کا لطف پاویں۔

اسکے بعد صاحب سیرۃ النعمان نے فن رجال کے متعلق کلام شروع کیاہے لکھتے
ہیں (رجال کی تنقید اور توثیق الیاطنی مسئلہ ہے جسکا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور
قلیل الوجود ہے)

میں کہتا ہوں کہ فن رجال کی تاسیس زمانہ تابعین سے شروع ہوئی اور اُسوقت
سے لیکر آجتک ہمیشہ علما اسکی چھان بین جانچ پرکھ اور تقویم وتشریح کرتے رہے بڑی
بڑی کتابیں ضخیم اس فن میں تصنیف ہوئیں اور احادیث معمول بہا کے متعلق رواۃ
کی بحث پوری ہو کر فیصلے ہو ہوگئے چنانچہ محدثین کی کتابیں اس سے مالامال ہیں
باقی رہا صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا کہ وہ فیصلے قطعی نہیں ہیں میں کہتا ہوں
کہ جس اعتبار سے آپ امام ابوحنیفہؒ کے محدث ہونے اور حدیث پڑھنے کی نسبت
قطعی فیصلہ کرتے ہیں اور بار بار ایسے کلمات فرماتے ہیں (بے شبہ اسمیں کچھ شک
نہیں۔ کون انکار کرسکتا ہے وغیرہ) اُس اعتبار سے رواۃ حدیث کی نسبت
اس سے کہیں بڑھکر قطعی فیصلے ہوچکے ہیں کیونکہ بعض رواۃ کی نسبت اگر بعض محدثین
کا اختلاف ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے محدث ہونے کی نسبت محدثین کا خلاف نہیں اتفاق ہے

صاحب سیرۃ النعمان نے بعض رواۃ کے جرح وتعدیل کے نسبت جو کچھ لکھا ہے میں اوسکی نسبت لکھنا کوئی بکار آمد مضمون نہیں خیال کرتا کیونکہ اگر وہ محدثین کے کسی معمول بہا حدیث کے متعلق من حیث الرواۃ کلام کرتے تو البتہ موقع سخن تھا اور کام کی بات تھی ورنہ فضول ہے کیونکہ صاحب سیرۃ النعمان کو صرف موقع احتمال وظن کا اظہار مقصود ہے۔ حالانکہ یہ کوئی بات نہیں ہے اگر ایسے ہی احتمال اور وہم کی پابندی کیجائے تو ضروریات دین میں احتمال کو دخل ہے اور مخالفین انکار بھی کر رہے ہیں آخر فرق باطلہ کا اختلاف بھی ایسی ہی باتوں پر مبنی ہے باقی رہے جرح وتعدیل کے اسباب انکو ہم تصحیح وتضعیف حدیث کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔

صاحب سیرۃ النعمان کو جرح وتعدیل میں محدثین کا اختلاف دیکھکر تعجب ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں (تعجب یہ ہے کہ جارحین ومعدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور اُنکی رایوں میں اسقدر اختلاف ہوتا ہے جس سے تعجب ہوتا ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے کہیں زیادہ قابل تعجب وہ اختلاف ہے جو امام ابوحنیفہ اور اُنکے شاگردوں میں ہوا ائمہ جرح وتعدیل نے تو کوئی مجلس نہیں ٹھہرائی اور نہ اُسکے ممبر مقرر کیئے نہ یہ صورت ہوئی کہ باہم بحث وتدقیق کر کے رائیں قائم کیں اور فقہ کے نسبت آپ صفحہ ۲۰۰ وصفحہ ۲۰۱ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح نے فقہ کی تدوین میں اپنے معزز شاگردوں کی شرکت سے مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ تدوین کا

طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اگر اسکے جواب میں لوگ
متفق الرائے ہوتے تو اسیوقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں
شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب غور و تامل کے
ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سبکو تسلیم کرنا پڑتا۔ صاحب سیرۃ النعمان
کے اس بیان پر نہایت تعجب ہوتا ہی کہ باوجود اس اہتمام بلیغ اور بحث و تدقیق اور جچا تلا فیصلہ کرنے
اور تسلیم کرنے کے پھر امام ابوحنیفہ اور انکے شاگردوں میں اسقدر اختلاف کہ علما نے تصریح کی ہے کہ
صاحبین نے امام ابوحنیفہ سے دو ثلث مسائل میں اختلاف کیا ہی جس سے کتابیں فقہ کی مملو ہیں ائمہ جرح و تعدیل
میں اسقدر کوئی اختلاف نہیں نکال سکتا۔ صاحب سیرۃ النعمان نے اسکے بعد تادیہ معنی کی بحث کی ہے
فرماتے ہیں (راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں
فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت
سے انکار کیا جاتا تھا تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا صحیح مسلم باب تیمم میں ہے کہ ایک شخص نے
حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ ملسکا حضرت عمرؓ
نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو عمار موجود تھے انھوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے
ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے حضرت عمر نے کہا
اتق اللہ یا عمار یعنے اے عمار خدا سے ڈرو یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمار کو کاذب الروایۃ
نہیں سمجھے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ
فرمائے چنانچہ عمار نے کہا کہ اگر آپ کی مرضی نہو تو میں یہ حدیث نہ روایت کیا کروں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات غلط اور بالکل غلط ہی کہ حضرت عمرؓ نے عمار کی روایت باعث خبر احاد ہونے کے اس احتمال سے کہ شاید ادا ے مطلب مین غلطی ہوئی ہو قبول کرنے میں توقف کیا اور عمار کو اتق اللہ کہا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ عمار کی روایت بدین مضمون تھی کہ کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ (حضرت عمر) دونوں سفر میں جنب ہوئے اور پانی نہیں ملا آپنے نماز نہیں پڑھی اور میںنے سارے بدن میں خاک مل لی اور نماز پڑھی مدینہ آکر آنحضرت صلعم سے یہ قصہ کہا آپنے فرمایا کہ صرف مُنھ ہاتھ کا تیمم کافی تھا چونکہ حضرت عمرؓ کو یہ قصہ بالکل یاد نہیں آیا لہذا آپ کو استبعاد ہوا اور قبول روایت میں آپنے توقف کیا چنانچہ شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔ توقف عمر رضی اللہ عنہ بجہت عدم تذکر قصہ بود کہ درآن سفر بود و بیاد او نیامد لہذا در بعض روایات آمدہ است کہ عمر با عمار گفت از خدا بترس یا عمار کہ چہ میگوئی۔ عمار کی روایت میں ایسا واقعہ تھا کہ بیشک انسان کو اپنے یاد نہ آنے پر استبعاد ہو سکتا ہے اور وہ خیال کر سکتا ہی کہ یا میں بھول گیا ہوں یا اسی شخص کو اشتباہ ہوا ہے مگر ساتھ اسکے عمار کے اس کہنے پر کہ اگر آپ کی مرضی نہو تو میں یہ روایت نکیا کروں حضرت عمر نے فرمایا نولیک ما تولیت یعنے اس روایت کا بار تمھارے ذمہ ہی یعنے باوجود اسکے کہ تم (عمار) میرا واقعہ بیان کرتے ہو اور مجکو بالکل یاد نہیں آتا مگر چونکہ حدیث رسول اللہ صلعم ہی اور جسکو معلوم ہو اُسپر بیان کرنا واجب ہے میں تمکو اسکی روایت سے منع نہیں کر سکتا تمکو اگر ٹھیک یاد ہے تو اسکا بار تمھارے سر ہے صحیح مسلم میں اس حدیث کی روایت میں حضرت عمرؓ کا

یہ آخر جملہ (نولیلت مانولیت) بھی مذکور ہی جسکو صاحب سیرۃ النعمان نے کسی مصلحت سے چھوڑ دیا اور ذکر نکیا۔

علاوہ حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں اور شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں حضرت عمر کا اس فتوے سے رجوع کرنا بھی نقل کیا ہی صاحب سیرۃ النعمان نے شاید اسکو نہیں دیکھا یا دانستہ اسکو ذکر نہیں کیا کیونکہ اسکے ذکر سے انکا مقصود فوت ہوتا تھا صاحب سیرۃ النعمان اس موقع میں یہ بھی لکھتے ہیں (یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں متواتر اور مشہور میں ان بحثوں کا مساغ نہیں)

میں کہتا ہوں کہ مشہور تو وہی ہے جو اولاً خبر واحد تھی اور پیچھے مشہور ہو گئی چنانچہ آپ خود بھی صفحہ ۷۹ امیں بایں کلمات فرماتے ہیں (مشہور یعنی وہ حدیث جسکے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں تو بہت نہ ہوویں) والمشهور هو ما كان من الاحاد فی الاصل ثم انتشر کذا فی الحسامی۔ یعنی حدیث مشہور وہ ہی جو اصل میں خبر واحد تھی پیچھے مشہور ہو گئی (حسامی) پھر اسکے کیا معنی کہ تادیہ معنی کی بحث حدیث مشہور میں نہیں ہو سکتی۔ عمار کی روایت اسی تادیہ معنے کے بحث کے متعلق آپنے پیش کی ہے بزعم آپکے اس روایت میں یا فاطمہ بنت قیس کی روایت میں کلام آخر اسی طبقہ میں ہوا ہی جس طبقہ میں حدیث مشہور بھی خبر واحد ہی ہوتی ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اس موقع میں یہ بھی لکھا ہی (اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلیئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر رد و قدح کرتے ہیں)

پھر لکھا ہی (اُنھوں (امام صاحب) نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہریوں کی طرح خوش اعتقادی سے اُسکی قطعیت تسلیم کی)

میں کہتا ہوں کہ یہ بات محض خلاف واقع اور دروغ بے فروغ ہے کہ محدثین خبر احاد کو قطعی کہتے ہیں اور اسکی مخالفت کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر رد و قدح کرتے ہیں یہ سراپا کذب ہی محدثین نے ہرگز ہرگز خبر احاد کو قطعی نہیں کہا رہا واجب العمل ہونا اسمیں بھی اختلاف نہیں ہی خبر احاد کے واجب العمل ہونے کے امام ابو حنیفہؒ بھی قائل ہیں تمام کتب اصول حنفیہ میں خبر احاد کو واجب العمل لکھا ہی۔ کتاب التحقیق شرح حسامی میں بعد ذکر اُن دلائل کتاب و سنت کے جو خبر احاد کے واجب العمل ہونے کے ہیں لکھا ہے فتبین بهذا ان خبر الواحد موجب للعمل مثل المتواتر وهذا دليل قطعي لا يبقى معه عذر في المخالفة كذا ذكره الغزالي رحمه الله واما الاجماع فهو ان الصحابة رضي الله عنهم عملوا بالاحاد وحاجّوا بها في وقائع خارجة عن الحصر و العد من غير نكير منكر ولا مدافعة دافع كما بيّنا بعضها في الكشف فكان ذلك اجماعا منهم على قبولها وصحة الاحتجاج بها وعلى هذا جرت سنة التابعين كعلي بن الحسين ومحمد بن علي وسعيد بن جبير ونافع بن جبير وطاؤس وسعيد ابن المسيّب وفقهاء الحرمين وفقهاء البصرة كالحسن وابن سيرين وفقهاء الكوفة وتابعيهم وعليه من بعدهم من الفقهاء من غير انكار عليهم من احد في عصر

ترجمہ اِن دلائل کتاب و سنت سے ظاہر ہوا کہ حدیث خبر احاد پر مثل متواتر کے عمل

واجب ہے اور یہ دلیل قطعی ہے جسکی مخالفت میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا ایسے ہی کہا امام غزالی نے اور اسپر دلیل اجماع بھی ہے بایں طور کہ صحابہ رضنے اخبار احاد پرعمل کیا اور اُس سے حجت پکڑی اتنے وقائع میں جسکی گنتی نہیں ہوسکتی اور اسپر کسی کا انکار و اختلاف نہیں ہوا جیسا کہ ہمنے بعض قصے کشف میں بیان کئے ہیں صحابہ کے یہ عملدرآمد اخبار احاد کے قبول کرنے اور اُس سے حجت پکڑنے پر اجماع ہے اور یہی طریقہ رہا تابعین کا جیسے امام زین العابدین اور امام محمد باقر وسعید بن جبیر و نافع بن جبیر وطاؤس وسعید بن المسیب اور فقہاے حرمین اور فقہاے بصرہ کا جیسے امام حسن بصری اور ابن سیرین اور فقہاے کوفہ اور تبع تابعین کا اور اسی طریقہ پر رہے جو اُنکے بعد فقہا ہوئے اور کسی زمانہ میں اُنپر کسی نے انکار نہیں کیا۔

یہ بات بالکل غلط ہے کہ محدثین کا امام ابوحنیفہ پر رد و قدح اسوجہ سے ہے کہ محدثین اخبار احاد کو قطعی کہتے ہیں یا یہ کہ امام ابوحنیفہ اخبار احاد کو واجب العمل نہیں کہتے۔ امام ابوحنیفہ تو باعث کم مایگی حدیث کے روایات ضعاف اور مراسیل بھی جو میسر آجاتے تھے نہیں چھوڑتے تھے البتہ امام ابوحنیفہؒ سے اور محدثین سے اختلاف کی وجہ یہ ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں علم حدیث نہ طلب کرنی اور حماد فقیہ کی شاگردی اور ابراہیم نخعی کے مسائل پر قناعت کرنے کے باعث قیاس بکثرت ہوا اور وہ قیاسات حدیث کے خلاف پڑے جیسا کہ ہم علامہ ابن خلدون اور حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت سے اوپر ثابت کرچکے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی

بھی مقدمہ تعلیق الممجد میں لکھتے ہیں انہ قد یصرح بذکر مذھب ابراھیم النخعی ایضا لکونہ مدار مسائل الحنفیۃ۔ یعنے امام محمد ابراہیم نخعی کے مذہب کا ذکر بھی اسوجہ سے کرتے ہیں کہ حنفیہ کے مسلک کا دار مدار اُسی پر ہے۔

فاطمہ بنت قیس کی روایت میں حضرت عمرؓ نے توقف اسوجہ سے کیا کہ اُنکی سمجھ میں وہ روایت قرآن کے مخالف تھی اور فاطمہ بنت قیس کا حفظ واتقان اُنکو معلوم نہ تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ کلمات فرمائے تھے لا اترك كتاب الله بقول امرأة لا ادرى حفظت ام نسيت (صحیح مسلم) یعنی میں قرآن کو نہیں چھوڑ سکتا ایسی عورت کے قول سے جسکو میں نہیں جانتا کہ یاد والی ہے یا بھول گئی۔ صاحب سیرۃ النعمان نے اس روایت کے بیان میں غلطی سے یا اور کسی وجہ سے حفظت ام نسيت کی جگہ صدقت ام كذبت لکھدیا حضرت عمر کے اس کلام کا مطلب صریح یہ ہے کہ اگر ایسی عورت کی روایت ہوتی جسکا حفظ مجھے معلوم ہوتا تو البتہ میں قرآن کے اس عموم کو چھوڑتا نہ یہ کہ حضرت عمر کو عموماً خبر واحد سے باعث احتمال غلطی راوی کے انکار تھا حاشا وکلا ابھی عمار والے کی روایت کے بیان میں گذرا کہ حضرت عمرؓ نے باوجود اسکے کہ خود اُنکا واقعہ تھا اور اُنکو بالکل یاد نہیں آیا پھر بھی عمار کو اُس حدیث کے روایت کی اجازت دی ایسا شخص مجرد احتمال پر خبر احاد سے کیونکر انکار کر سکتا ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان اس موقع میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ (اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہو سکتا کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اُس سے ظن غالب

پیدا ہوتا ہے اسلئے وجوب سنن استحباب ثابت ہوسکتا ہے اسی بنا پر نماز میں قرات فاتحہ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ واجب)

میں کہتا ہوں کہ اولاً یہ مسئلہ (فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے) خود محتاج دلیل ہے حنفیہ کے یہاں اسکی کوئی دلیل نہیں ہے کہ فرضیت (رکنیت) ثبوت قطعی کی محتاج ہے اور نہ خود حنفیہ کو اسکی پابندی ہے اس اصول کی بنا پر تفریعات بناء فاسد علی الفاسد ہے واجبات نماز بھی حنفیہ کے نزدیک نماز کے ارکان و اجزا ہیں لیکن ارکان کی انھوں نے دو قسمیں کی ہیں ایک وہ رکن جسکا ترک موجب فساد اور دوسرا وہ رکن جسکا ترک موجب نقصان ہو اول کا نام فرض اور دوسرے کا نام واجب رکھا ہے اور دونوں کی تعریف میں فرق اسیقدر کیا ہے کہ فرض ثابت بدلیل قطعی اور واجب ثابت بدلیل ظنی ورنہ فرض و واجب دونوں کی رکنیت کے حنفیہ قائل ہیں حالانکہ فرض و واجب کی تعریف میں جو امتیاز رکھا ہے اسکا یہی اثر ہونا چاہئے کہ ترک فرض سے فساد قطعی اور ترک واجب سے فساد ظنی ہو نہ کہ ایک کے ترک سے فساد اور دوسرے کی ترک سے نقصان ہو کیونکہ اس صورت میں فرض و واجب میں امتیاز من حیث الذات ٹھہرتا ہے اور حنفیہ دونوں میں صرف من حیث الثبوت فرق کرتے ہیں۔

حنفیہ خود ایسے امور کو فرض کہتے ہیں جنمیں کوئی دلیل قطعی نہیں قہقہہ مصلی سے حنفیہ وضو فرض کہتے ہیں حالانکہ اسمیں قطعی تو درکنار کوئی دلیل ظنی بھی صحیح نہیں ہے خون اگر کپڑے میں لگجاوے تو حنفیہ دھونا فرض کہتے ہیں ایسے ہی خون نکلنے سے وضو فرض کہتے ہیں حالانکہ اسمیں کوئی

دلیل قطعی تو درکنار دلیل ظنی بھی صحیح نہیں ہے اور بہت سے ایسے امور جو ثابت بدلیل قطعی ہیں
اُنکو حنفیہ فرض نہیں کہتے تعوّذ یعنے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم امام ابو حنیفہ
فرض کیا واجب بھی نہیں کہتے حالانکہ یہ قرآن کا مسئلہ ہے آیۃ کریمہ اذا قرأت
القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم قرآن میں موجود ہے صاحب سیرۃ النعمان
اسکو بھی ظنی کہدیں نماز میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہنا امام ابو حنیفہ
فرض کیا واجب بھی نہیں کہتے حالانکہ قرآن میں فسبّح باسم ربک العظیم وسبح
اسم ربک الاعلیٰ آیتیں موجود ہیں صاحب سیرۃ النعمان فرمائیں کہ کیا یہ آیتیں بھی
قطعی نہیں ہیں۔

اس موقع میں شاید صاحب سیرۃ النعمان یہ کہیں کہ ان سب آیتوں میں نماز کی قید
نہیں ہے تو جواب اسکا اوّلاً یہ ہے کہ پھر ان آیتوں کا کوئی مورد بتایئے جہاں امام ابو حنیفہ
نے فرض کہا ہو۔ دوسرے حنفیہ تکبیر تحریمہ کے فرضیت کی دلیل آیہ وربک فکبّر
کہتے ہیں اُسمیں نماز کی قید کہاں ہے۔

علاوہ حج وعمرہ کا حکم ساتھ ہی قرآن میں ہے اتمّوا الحجّ والعمرۃ للہ اور امام ابو حنیفہ
عمرہ کو فرض کیا واجب بھی نہیں کہتے۔

اس موقع میں صاحب سیرۃ النعمان جو یہ لکھتے ہیں کہ اسی خبر احاد کے ظنی ہونے
کی بنا پر امام ابو حنیفہ نماز میں قرارت فاتحہ واجب کہتے ہیں اور امام شافعی فرض میں
کہتا ہوں کہ بھلا امام ابو حنیفہؒ مطلق قراءۃ جو نماز میں فرض کہتے ہیں بارے اُسکی

دلیل قطعی کون سے حنفیہ مطلق قراۃ کے فرضیت کی دلیل آیۃ فاقرؤا ماتیسر من القران لکھتے ہیں حالانکہ یہ آیۃ سورۂ مزمل کی ہے اور وہاں کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت وصحابہ تہجد میں دو تہائی رات اور آدھی رات اور تہائی رات گذارتے تھے اللہ پاک نے اس مشقت کو معاف فرمایا کہ جسقدر آسان ہو اتنا قرآن پڑھا کرو اسکے یہ معنی کیونکر ہوگئے کہ نماز فریضہ میں صرف ایک آیۃ پڑھنی فرض ہو اس قسم کے استدلال اور اصول فروع میں ایسا واشگاف اختلاف امام ابوحنیفہؒ کی جیسی شان لوگ بیان کرتے ہیں اس سے کہیں بعید ہے اگر تمام کتب حنفیہ میں یہ مسائل نہوتے تو میں کیا کسی کو بھی باور نہوتا کہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ اجتہاد اور ایسا کلام روائی ہو صاحب سیرۃ النعمان اسکے بعد لکھتے ہیں (اخبار احاد میں امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں اسپر اصحاب حدیث نے ان کی مخالفت کی) چونکہ صاحب سیرۃ النعمان کو اس کی کوئی مثال امام ابوحنیفہؒ کے قول میں نہیں ملی تو آپ امام فخرالدین رازی شافعی کا کلام تفسیر کبیر سے نقل کرکے فرماتے ہیں (امام رازی کا استدلال امام ابوحنیفہؒ کے اسی خیال پر مبنی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ صاحب سیرۃ النعمان کا صرف خیال ہے نہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ اصول کہیں ثابت ہو اور نہ اُن کے اقوال میں آپ اسکی کوئی مثال دکھاسکتے ہیں۔ باقی امام رازی کا کلام نسبت حدیث ماکذب ابراھیم الا ثلث کذبات کے صاحب سیرۃ النعمان نے جسطور پر اسکو نقل کیا ہے بالکل غلط ہے۔

قرآن میں حضرت ابراہیم کا قصہ مذکور ہے کہ آپنے سب بتوں کو توڑ ڈالا صرف ایک
بڑے بت کو رہنے دیا۔ کافروں نے جب دیکھا حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ ہمارے
خداؤں (بتوں) کے ساتھ یہ کسنے کیا آپنے جواب دیا کہ اسی بڑے بت نے یہ کیا ہی
امام رازی اس آیۃ کی تفسیر میں اسکی بحث لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا یہ قول (بل فعله
کبیرهم) کذب تھا یا نہیں اسمیں انھوں نے دو مذہب نقل کیئے ہیں اول یہ کہ وہ
کذب نہیں ہی اس مذہب والے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تاویلیں کرتے ہیں
اور دوسرا مذہب یہ ہی کہ وہ کذب ہے اور اطلاق کذب کی دلیل وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت
ابراہیمؑ کے اس قول پر کذب کا اطلاق حدیث میں وارد ہے۔ امام رازی مذہب
ثانی کی دلیل کی نسبت لکھتے ہیں کہ جو حدیث اسمیں پیش کیگئی ہی یا اُس حدیث کی
تضعیف کیجائے کیونکہ حضرت ابراہیم کی تکذیب سے رواۃ کی تکذیب آسان ہی اور
اگر یہ روایت صحیح ہو تو اُسکی تاویل کیجائے چنانچہ تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہی "فان
ذلك الخبر لو صح فهو محمول على المعاريض على ما قال عليه السلام ان فى المعاريض
لمندوحة"۔ صاحب سیرۃ النعمان نے اس مضمون کو کسقدر تحریف کر کے لکھا ہی۔
اب ہم اُس روایت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اُس روایت میں تینوں کذب جو مذکور
ہیں اُن تینوں باتوں کا ذکر تو قرآن میں موجود ہی اُسکا کون انکار کرسکتا ہے اور نہ
امام رازی نے یا کسی نے ان وقائع کا انکار کیا اب صرف بات اسقدر رہگئی کہ
اُن تینوں امور پر لفظ کذب کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں اُن تینوں امور کا ظاہر ظاہر

خلاف واقع ہونا اسمیں بھی کلام نہیں ہوسکتا باقی رہی توریہ وغیرہ کے ساتھ تاویل کرنی یہ اطلاق کذب کو مانع نہیں اور نہ اس سے کوئی محذور شرعی لازم آتا ہے اور نہ اصول متفق علیہا کا خلاف ثابت ہوتا ہے اور نہ حضرت ابراہیم کی عصمت میں بٹہ لگتا ہے کیونکہ توریہ شرعًا جائز ہے علاوہ صاحب سیرۃ النعمان نے یا حسب زعم اُن کے امام ابوحنیفہؒ نے اگر عصمت کے وہ معنی وسیع سمجھے ہیں کہ کبھی کسی قسم کی چوک نہو تو بنا براس فہم کے حضرت نوح اور حضرت یوسف وحضرت داؤد وحضرت موسٰی وحضرت یونس کے قصے جب سب قرآن میں صراحۃً مذکور ہیں اُن سب کو آپ جھٹلائینگے ایسی باتوں کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کرنی مدح نہیں بلکہ ہجو ملیح اور اپنی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اسیطرح اس کتاب کے صفحہ ۱۹ میں قتادہ بصری اور امام ابوحنیفہ کا ایک مناظرہ نقل کیا ہے اُسمیں امام ابوحنیفہ کا مسکت خصم فقرہ یہ لکھا ہے (امام ابوحنیفہؒ نے کہا حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں قتادہ نے کہا نہیں امام صاحب نے کہا کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانہ میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو)

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کو حضرت موسٰی اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ (جو سورۂ کہف میں صراحۃً مذکور ہے) معلوم نہ تھا اور قرآن میں اُنکو مہارت نہ تھی اتنی بات بھی امام ابوحنیفہ نہیں جانتے تھے کہ علم بالنبوۃ اور ہے

اور علم بالفراست اور ہے ایک علم والے کو دوسرا علم جاننا ضرور نہیں اور دونوں
میں کسی قسم کی ملازمت نہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر سے ھل
اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدا (یعنی میں تمھارے ساتھ رہوں اس غرض
سے کہ سکھاؤ تم مجکو جو تمکو معلوم ہے رشد کی بات) کہنا صریح قرآن میں مذکور ہے اور
صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے کہا
یاموسیٰ انی علی علم من علم اللہ علمنیہ اللہ لاتعلمہ وانت علی علم من علم اللہ علمکہ
اللہ لا اعلمہ یعنے اے موسیٰ مجکو ایک علم خدا نے سکھایا ہے وہ تم نہیں جانتے اور تمکو
ایک علم خدا نے سکھایا ہے وہ ہم نہیں جانتے۔ قرآن کے یہ مضامین کیسے وانشگاف
ہیں کہ ہر پیغمبر کو سوا علم نبوت کے دوسرا علم بھی جاننا ضرور نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ
السلام ایک اولوالعزم رسول ہیں اور انکو حضرت خضر کا علم نہیں معلوم تھا علاوہ کسی
ایک خاص امر کو کوئی شخص جانتا ہو تو کسی عالم کے مقابلہ میں یہ بات نہیں کہی جاسکتی
کہ وہ شخص زیادہ علم رکھتا ہے دوسرے لفظ (زیادہ) مقتضی اسکو ہے کہ دونوں کے علم
میں مجانست ہو۔ حالانکہ حضرت سلیمانؑ اور آصف کے قصہ میں مجانست علمی نہیں ہے
امام ابو حنیفہؒ کی تقریر کہہ رہی ہے کہ انکو قرآن کی ان آیتوں سے واقفیت
نہ تھی اور مناظرہ میں انکی تقریر پوچ ہوا کرتی تھی صاحب سیرۃ النعمان نے جو اس مناظرہ
کو نقل کیا ہے یہ امام ابو حنیفہ کی مدح نہیں بلکہ قدح ہے۔
صاحب سیرۃ النعمان نے اسکے بعد بسم اللہ کی نسبت کلام کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے

نزدیک بسم اللہ ہر سورہ کے شروع میں جزء قرآن نہیں ہے کیونکہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے۔

میں اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا کیونکہ اکابر محدثین کا مذہب یہی ہے کہ بسم اللہ جزء سورہ نہیں ہے البتہ صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بسم اللہ جزء قرآن نہیں ہے یا متواتر نہیں ہے یہ محض ناواقفیت کی دلیل ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان اختلاف اس بارہ میں ہے کہ ہر سورہ کے اول میں بسم اللہ جزء سورہ ہے یا نہیں ورنہ آیۃ منزل اور جزء قرآن ہونے میں اختلاف نہیں ہے الصحیح من المذھب انھا من القرآن لکنھا لیست جزء من کل سورۃ عند نابل ھی آیۃ منزلۃ للفصل بین السور کذا ذکر ابوبکر الرازی ومثلہ روی عن محمد رحمہ اللہ لانھا کتبت مع القرآن بامر الرسول علیہ السلام ونقلت الینا بین دفات المصاحف مع انھم کانوا یبالغون فی حفظ القرآن حتی کانوا یمنعون من کتاب اسامی السور مع القرآن ومن التعشیر والنقط کیلا یختلط بالقرآن غیرہ فلو ابدعت لاستحال من العادۃ سکوت اھل الدین عنہ مع تصلبھم فی الدین الا ان النقل المتواتر لما لم یثبت انھا من السورۃ لم یثبت ذلک۔ کتاب التحقیق شرح الحسامی

ترجمہ مذہب صحیح یہی ہے کہ بسم اللہ جزء قرآن ہے لیکن ہمارے (حنفیوں کے) مذہب میں ہر سورہ کا جزء نہیں ہے بلکہ وہ ایک آیۃ ہے اس غرض سے نازل ہوئی ہے کہ سورتوں کے درمیان میں اس سے فصل ہو ایسے ہی کہا ابوبکر رازیؒ نے

اور اسیطرح امام محمدؒ سے مروی ہے کیونکہ وہ (بسم اللہ) حسب فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قرآن کے ساتھ لکھا گیا اور ہم لوگوں کی طرف قرآن کے اندر منقول ہوا حالانکہ صحابہ کو حفظ وتجرید میں قرآن کے مبالغہ تھا یہانتک کہ سورتوں کے نام مغیرہ بھی قرآن کے ساتھ لکھنا وہ لوگ منع کرتے تھے اسیوجہ سے کہ قرآن کے ساتھ کہیں دوسری چیز نہ ملجائے بسم اللہ کے محدث ہونے کی صورت میں اہل دین کا باین تشدّد فی الدین سکوت محال عادی ہے البتہ یہ بات ہے کہ بسم اللہ کا جزء ہر سورہ ہونا متواتر طور پر ثابت نہیں ہوا۔

اُسی کتاب التحقیق میں یہ بھی ہے قد ذکر التمرتاشی فی شرح الجامع الصغیر انه لو اکتفی بها یجوز الصلوٰۃ عند ابی حنیفة رحمه الله لکن الصحیح انها لا تجوز لان فی کونها اٰیة تامّة شبهة ترجمہ تمرتاشی نے جامع صغیر کی شرح میں ذکر کیا کہ اگر کسی نے نماز میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز اُسکی جائز ہوگی لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ نماز جائز نہوگی کیونکہ اس (بسم اللہ) کے پورے آیة ہونے میں شبہ ہے۔

غرض بسم اللہ کے جزء قرآن ہونے میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے صرف اسپر اکتفا کرنے کی صورت میں نماز کا عدم جواز جو کہتے ہیں وہ اسوجہ سے نہیں کہ جزء قرآن نہیں ہے بلکہ اسوجہ سے کہ اسکے پورے آیة ہونے میں شبہ ہے۔

عبداللہ بن مسعود سے معوذتین کا انکار اُسکو زیادہ لکھنے کی میں ضرورت نہیں دیکھتا

ہاں اِسقدر کہ صاحب سیرۃ النعمان نے جو یہ لکھا ہے کہ اسکی تصحیح سے معوذتین کا غیر متواتر ہونا لازم آتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نہایت غلط خیال ہے متواتر کی تعریف یہ ہے کہ اتنے لوگ اُسکے راوی ہوں جنکا طواطؤ علے الکذب خلاف عقل ہو تو متواتر ہونے کے لیئے راویوں کی اتنی تعداد ہونی چاہیئے ایک آدھ آدمی کا اختلاف اسکو منافی نہیں ہے المتواتر خبر جماعۃ مفید بنفسہ العلم بصدقہ۔ کتاب التحقیق ترجمہ متواتر جماعت کی خبر کا نام ہے جس سے بنفسہ یعنی قطع نظر اور قرائن کے سچ ہونے کا یقین حاصل ہو۔ للتواتر شروط فمنھا تعدد المخبرین تعددا یمتنع التواطؤ علے الکذب عادۃ۔ مسلم الثبوت یعنے تواتر کی چند شرطیں ہیں ایک یہ کہ اُسکے خبر دینے والے اتنے ہوں جنکا بالاتفاق جھوٹ بولنا محال عادی ہو۔

اِس موقع میں صاحب سیرۃ النعمان نے ایک مضمون یہ بھی لکھا ہے (امام صاحب کے اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اُسقدر وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اُسکو ہونا چاہیئے جو شخص توحید و نبوت کا قائل ہے اور دل سے اُسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے۔ امام صاحب معتزلہ۔ قدریہ۔ جہمیہ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اِس قسم کی حدیثوں کا کہ ۷۳ فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی دوزخی + اعتبار نہیں کرتے۔ ظاہر بینوں نے بات بات پر کفر کے فتوے دیئے یہاں تک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے۔ انتھیٰ ملخصًا۔

صاحب سیرۃ النعمان کی اس تقریر سے غرض یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے اصول کے مطابق نیچریوں کو مسلمان ثابت کریں آخر فقرہ آپ کی تقریر کا (جو شخص وضع وقطع میں دوسرے کے متشابہ ہوجائے) اسپر دلالت کرتا ہی۔ میں کہتا ہوں کہ نیچریوں کو جو علمانے کافر کہا اسکی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ لوگ انگریزی وضع رکھتے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ نصی حرام کو حلال اور ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں پرچہ ہاے اشاعۃ السنہ وغیرہ میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔ صاحب سیرۃ النعمان کا یہ قول کہ (جو شخص توحید ونبوت کا قائل ہے وہ نص قرآن کے مطابق مسلمان ہے) یہ عموم محل نظر ہے کیونکہ ہم اولاً ایمان کی بحث میں سورۂ توبہ کی آیت ونیز قول امام ابو حنیفہ سے اسکو ثابت کرچکے ہیں کہ مجرد اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اقامت نماز وایتاء زکوٰۃ بھی شرط قبول اسلام ہی دوسرے اگر کوئی شخص زبان سے توحید ونبوت کا اقرار کرتا ہے اور قرآن کا منکر ہے یا وحی ونزول فرشتہ کا منکر ہے یا نصی حرام (جیسے مروڑی مرغی) کو حلال کہتا ہے یا نماز بارکان مخصوصہ کا منکر ہی اور کرسی پر بیٹھکر دعا کرلینے کو نماز کہتا ہے یا غیر خدا کو سجدہ کرتا ہی وغیرہ وغیرہ ایسا شخص اگرچہ توحید ونبوت کا بظاہر اقرار کرتا ہی مگر درحقیقت وہ نبوت کا منکر ہے کیونکہ یہ سب اعتقاد واقرار کے امارات ہیں جو اسمیں نہیں پائے جاتے ایسے لوگوں کو امام ابو حنیفہ بھی کافر کہتے ہیں صاحب سیرۃ النعمان کا اعتراض

امام ابو حنیفہ پر ہو سکتا ہے کیونکہ وہ کفر و ایمان میں مراتب کے قائل نہیں ہیں اور محدثین تو کفر کو کلی مشکک کہتے ہین صحیح بخاری میں باب کفر دون کفر موجود ہے پس جسقدر انسان میں کفر کی باتیں پائی جائینگی اُسقدر اُسکے اسلام مین نقصان آئیگا۔ اور اگر منافی اسلام باتیں پائی جائینگی تو اسلام نہیں رہیگا ورنہ اجتماع متنافیین لازم آئیگا اور اُن امور کی تعیین و تشخیص لسان شرع سے معلوم ہوسکتی ہے نہ کسی کی عقل ورلے سے۔ امام ابو حنیفہ بھی جو اہل قبلہ کو مومن کہتے ہین تو اُس سے مراد یہی ہے کہ اُس شخص سے امور منافی اسلام نہ پائے جاوین کتب کلامیہ میں اسکا بیان ہے صاحب سیرۃ النعمان نے اس موقع میں بڑی غلطی کی ہے کہ ۷۳ فرقہ والی حدیث کی تکذیب اس بنا پر امام ابو حنیفہ کے طرف منسوب کی کہ وہ معتزلہ قدریہ۔ جہمیہ کو کافر نہیں کہتے حالانکہ یہ محض غلط فہمی ہے ۷۳ فرقے والی حدیث میں کفر و اسلام کا تقابل نہیں ہے یعنے یہ مضمون نہیں ہے کہ ۷۲ فرقے کافر ہیں بلکہ جنتی و جہنمی ہونے کا ذکر ہے اور دوزخی ہونے کو کفر لازم نہیں ہے کیا عصاۃ دوزخی نہیں ہیں فافہم۔

فقہ

فقہ کی تاریخ پر جو مضمون صاحب سیرۃ النعمان نے شاہ ولی اللہ صاحب کے حجۃ اللہ البالغہ سے نقل کیا ہے ہرچند اس نقل میں محو و اثبات ہی مگر میں اُسکی تشریح اور بیان کی ضرورت نہیں دیکھتا ہاں اسقدر کہ صاحب سیرۃ النعمان

لکھتے ہیں کہ اعمال نماز کی تقسیم فرض - واجب - سنت - مستحب صحابہ نے کی اور انھوں نے اُسکے مختلف اصول قائم کیئے -

میں کہتا ہوں کہ یہ بات غلط ہے صحابہ کے وقت تک شریعت کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی اگر بعض جزئیات میں اختلاف ہوا تو اُسکی صورت ایسی ہی تھی کہ محدثین کے آپس میں بعض مسائل کا اختلاف کہ جداگانہ مذہب نہیں قائم ہوئے تھے اور کل حزب بما لدیھم فرحون کی صورت نہیں ہوئی تھی اور اعمال نماز کی اسطرح پر تقسیم اور مسائل کی صورتیں فرض کر کر کے اُنکے احکام اپنی رائے سے نہیں ٹھہرائے گئے تھے چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کے اُسی مقام (جہاں کا حوالہ صاحب سیرۃ النعمان دیتے ہیں) میں لکھا ہے اعلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن الفقه فی زمانه الشریف مدونا ولم یکن البحث یومئذ مثل البحث من ھؤلاء الفقھاء حیث یبنیون باقصی جھدھم الارکان والشروط وآداب کل شئ ممتازا عن الاٰخر بدلیله ویفرضون الصور ویتکلمون علی تلک الصور المفروضة ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ مدون نہ تھی اور اُسوقت احکام کی بحث ایسی نہ تھی جیسے فقہا کرتے ہیں کہ بڑی کوشش سے ارکان وشروط اور آداب ہر چیز کے الگ الگ بیان کرتے ہیں اور مسائل کی صورتیں فرض کر کر کے اُنپر کلام کرتے ہیں -

سلف صالحین صحابہ وتابعین بغیر وقوع کے فرضی مسائل سے بحث کرنا نہایت

بُرا سمجھتے تھے ۔ دارمی میں اس معنے کی بہت سی روایتیں منقول ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ کے اسی مقام میں اسکو نہایت بسط سے لکھا ہے خلاف اسکے امام ابو حنیفہ فرضی صورتیں مسئلوں کی ٹھہرا کر اُس سے بحث کرتے قتادہ بصری اور امام ابو حنیفہ کا مناظرہ جو صاحب سیرۃ النعمان نے حصہ اول میں نقل کیا ہے وہ اسپر شاہد ہے ابن عابدین شامی نے حاشیہ درالمختار میں لکھا ہے کہ فقہا ایسے مسئلے لکھا کرتے ہیں کہ جنکا وجود عادۃً نہیں ہوتا ایسے مسئلوں کی دو ایک مثال میں لکھتا ہوں شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فقہا نے صورت مسئلہ کی ایک یہ فرض کرلی کہ کوئی شخص وضو اسطرح کرے کہ پہلے پیر دھوئے اور پیچھے مُنہ اسکو فرض کرکے اسپر بحث شروع کردی یہ طریقہ صحابہ کا نہ تھا مثلاً یہ صورت فرض کرلی کہ کتے اور بکری سے بچہ پیدا ہو تو وہ حلال یا حرام حنفی فقہ کی کتابوں میں یہ اور ایسے مسائل بہت ہیں صحابہ اور تابعین کی یہ سیرت نہ تھی پھر اس فقہ کو صحابہ کی فقہ پر قیاس کرنا سیر کو شیر پر قیاس کرنا ہے ۔

صاحب سیرۃ النعمان اس موقع میں لکھتے ہیں (صحابہ میں جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد اور فقیہ کہلائے اُن میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے ۔ عمرؓ علیؓ ۔ عبداللہ بن مسعود ۔ عبداللہ بن عباس ۔ حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں اُنکے مسائل و احکام کی زیادہ ترویج ہوئی اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دارالعلوم بنگیا جسطرح کہ حضرت عمر و عبداللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو

دار العلوم کا لقب حاصل ہوا تھا)۔

میں کہتا ہوں کہ اولاً یہ بات غلط ہے کہ صحابہ میں صرف یہی چار بزرگ فقہ واستنباط مسائل میں ممتاز تھے فقہ واستنباط مسائل میں جو صحابہ ممتاز تھے امام ابن حزم نے ۲۰ صحابہ کے نام گنائے ہیں اور کثیر الفتوے اُن میں سے ۷ شخص ہیں علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں والمکثرون منہم افتاء سبعۃ عمر و علی و ابن مسعود وابن عمر وابن عباس وزید بن ثابت و عایشۃ قال ابن حزم یمکن ان یجمع من فتیا کل واحد من ھؤلاء مجلد ضخیم **ترجمہ** صحابہ میں سے کثیر الفتوی ۷ شخص ہیں عمرؓ علیؓ عبد اللہؓ بن مسعود عبد اللہؓ بن عمر عبد اللہؓ بن عباس۔ زیدؓ بن ثابت حضرتؓ عایشہ رضی اللہ عنہم۔ امام ابن حزم نے کہا کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص کے فتوے اسقدر ہیں کہ اگر جمع کیئے جاویں تو ضخیم کتاب طیار ہو۔

دوسرے یہ بات غلط ہے کہ حضرت علی و عبد اللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے حضرت علی ۳۶ھ میں مدینہ سے نکلے و ۳۸ھ تک جنگ جمل و جنگ صفین و جنگ نہروان میں مشغول رہے بعد اسکے اقامت آپ کی کوفہ میں صرف دو برس ہے اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ہے بویع بعد قتل عثمان فی ذی الحجۃ سنۃ خمس وثلثین وکانت وقعۃ الجمل فی جمادی سنۃ ست وثلثین و وقعۃ صفین فی سنۃ سبع وثلثین و وقعۃ النہروان مع الخوارج فی سنۃ ثمان وثلثین ثم اقام سنتین یحرض علی قتال البغاۃ فلم یتہیأ ذلک الی ان مات **ترجمہ** حضرت علی بعد شہادت حضرت عثمانؓ کے

ذی الحجہ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے اور واقعہ جمل جمادی الثانی ۳۶ھ میں ہوا اور جنگ صفین ۳۷ھ میں اور خوارج کے ساتھ جنگ نہروان ۳۸ھ میں بعد اُسکے حضرت علی رضؓ نے دو برس اقامت کی بغات سے لڑنے کی لوگوں کو ترغیب دیتے رہے مگر اسکا سامان نہوا اور آپ کی شہادت ہوئی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعد آنحضرت کے ۲۵ برس تک یعنے ۳۵ھ ہجری تک مدینہ طیبہ میں رہے اور کوفہ میں آپ کی اقامت صرف دو برس ہوئی ایسے موقع میں صاحب سیرۃ النعمان کا یہ قول کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زیادہ تر کوفہ میں رہے کسقدر ٹھیک اور طرز مؤرخانہ کی دلیل ہی اگر یہ کہیں کہ آپ کی فقہ واستنباط کا زمانہ زیادہ تر کوفہ میں گذرا تو یہ غلط اور بالکل غلط ہے حضرت علی کی فقاہت اور آپ کا فتوٰی دینا اول ہی سے تھا چنانچہ اُسی کتاب اصابہ میں مذکور ہے ولم یزل بعد النبی صلی اللہ علیہ و سلّم متصدّیا للنشر العلم والفتیا یعنے حضرت علی بعد آنحضرت صلعم کے برابر درس اور افتاء کے متصدی رہے عبد اللہ بن مسعود بھی ابتداء سے مدینہ ہی میں رہے حضرت عمر رضؓ نے عمار کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا عبد اللہ بن مسعود کو اُنکے ساتھ کر دیا تھا پھر بعد اُسکے حضرت عثمان رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں عبد اللہ بن مسعود کو کوفہ کا حاکم بنایا پھر اُنکو موقوف کر کے مدینہ طلب کر لیا اصابہ میں ہے سیرہ عمر الی الکوفۃ لیعلّمہم امور دینہم وبعث عمارا امیرا قال انہما من النجباء من اصحاب محمد فاقتدوا بہما ثم امرہ عثمان علی الکوفۃ ثم عزلہ فامرہ

بالرجوع الی المدینۃ ترجمہ عبد اللہ بن مسعود کو حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو امور دینیہ کی تعلیم کریں اور عمار کو حاکم مقرر کرکے بھیجا اور فرمادیا کہ اصحاب رسول اللہ صلعم میں یہ دونوں ممتاز ہیں ان دونوں کی اقتدا کرو بعد اُسکے حضرت عثمان نے عبد اللہ بن مسعود کو کوفہ کا حاکم بنایا پھر موقوف کرکے مدینہ طلب کرلیا۔

تیسرے یہ بات سراسر غلط اور ظاہر خلاف ہے کہ حرمین کو صرف حضرت عمر اور عبد اللہ بن عباس کے تعلق سے دار العلوم کا لقب حاصل ہوا حرمین تو اصحاب و اہل بیت رسول اللہ صلعم کا مجمع رہا کوفہ میں چند روز حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رہے اور یہاں ان لوگوں کا اصل مرکز تھا۔ علاوہ خلفاء راشدین و ازواج مطہرات و اہل بیت و ہزارہا اصحاب رسول اللہ صلعم وہاں رہے ایسی حالت میں کوفہ اور حرمین کا علم میں موازنہ کرنا کمال درجہ کی خیرہ چشمی ہے صاحب حجۃ اللہ البالغہ مصفی میں لکھتے ہیں مدینہ مشرفہ در زمان او (امام مالک) پیشتر از زمان متاخر بے شبہ مرجع فضلا و محط رجال علما بودہ است و زمانے بعد زمانے مفتیان عظیم الشان کہ ہمہ عالم را قبلۂ توجہ علم ایشان بود پیدا می شدند۔

ولنعم ما قیل

اقول لمن یروی الحدیث و یکتب	و یسلک سبل الفقہ فیہ و یطلب
ان احببت ان تدعی لدی الحق عالما	فلا تعد ما تحوی من العلم یثرب
اتترک دارا کان بین بیوتہا	یروح و یغدو جبرئیل المقرب
و مات رسول اللہ فیہا و بعدہ	بسنتہ اصحابہ قد تادبوا

فقہ کے تدوین کا طریقہ اور اُسکا زمانہ اسکے نسبت جو کچھ صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہے میں اُسمیں نگارش مزید کی احتیاج نہیں دیکھتا البتہ بعض باتیں تنبیہًا اِسجگہہ لکھدینی مناسب معلوم ہوتی ہیں صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (یحییٰ بن ابی زائدہ حفص بن غیاث۔ قاضی ابویوسف۔ داؤد طائی۔ حبان۔ مندل۔ حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب و عربیت میں کمال تھا امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی اس کام میں کم و بیش ۳۰ برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سنہ ۱۲۱ھ سے سنہ ۱۵۰ھ تک)

میں کہتا ہوں کہ قطع نظر ثبوت اس بیان کے یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ بات ممکن بھی ہے امام محمد علی اختلاف الروایات سنہ ۱۳۵ خواہ سنہ ۱۳۲ یا سنہ ۱۳۱ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ابن خلکان میں بذیل ذکر امام محمد لکھا ہے مولدہ سنۃ خمس وثلثین۔ و قیل احدی وثلثین وقیل اثنین وثلثین ومائۃ۔ مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی تعلیق الممجد میں امام محمد کی پیدایش سنہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں پھر اُنکی شرکت سے وہ مجلس کیونکر ترتیب دیگئی جو سنہ ۱۲۱ میں مرتب ہوئی **قاضی** ابویوسف سنہ ۱۱۳ میں پیدا ہوئے تاریخ ابن خلکان میں ہے کانت ولادۃ القاضی ابی یوسف سنۃ ثلث عشرۃ ومائۃ ببغداد۔ یعنے قاضی ابویوسف کی پیدایش بغداد میں سنہ ۱۱۳ میں ہوئی اِس حساب سے سنہ ۱۲۱ میں اُنکا سن سات آٹھ برس کا تھا پھر اُنکی شرکت سے اُس سنہ ۱۲۱ میں وہ مجلس کیونکر ترتیب دیگئی خصوصًا امام

ابویوسف کا حال آپنے خود لکھا ہے کہ ابتدا میں باعث افلاس کے طلب معاش میں رہا کرتے تھے پیچھے پڑھنا شروع کیا امام زفر سنہ۱۱۰ میں پیدا ہوئے مولدہ سنۃ عشر ومائۃ وتوفی فی شعبان سنۃ ثمان وخمسین - ابن خلکان -

اس حساب سے سنہ۱۲۱ میں اُنکا سن ونش اگارہ برس کا تھا ایسے کم سن آدمی کا ایسی مہتم بالشان مجلس کی ممبری کرنا محض خلاف عقل ہے - حبان کی نسبت لکھا ہے کہ سنہ۱۷۱ خواہ سنہ۱۷۲ میں وفات پائی - اور اُسوقت ۷۰ برس کا سن تھا حبان بن علی العنبری بفتح العین والنون ثم الراء ابو علی الکوفی ضعیف من الثامنۃ وکان لہ فقہ وفضل مات سنۃ احدی اواثنین وسبعین ولہ سبعون سنۃ یعنے حبان کوفہ کے رہنے والے ضعیف ہیں آٹھویں طبقہ کے آدمی ہیں اُنمیں فقاہت او فضیلت تھی سنہ۱۷۱ خواہ سنہ۱۷۲ میں اُنکا انتقال ہوا اور اُسوقت ساٹھ برس کا سن تھا - تقریب التہذیب -

اس حساب سے سنہ۱۲۱ میں اُنکا سن آٹھ نو برس کا ہوگا پھر وہ اُسوقت ایسی مہتم بالشان مجلس کے کیونکر ممبر ہوسکتے ہیں - مندل کی پیدایش سنہ۱۰۳ میں ہوئی جیسا کہ تقریب التہذیب میں ہے اس حساب سے سنہ۱۲۱ میں اُنکا سن ستّرہ اٹھارہ برس کا ہوتا ہو اور اس سن کے آدمی کے نسبت یہ خیال میں نہیں آسکتا کہ اُسوقت حدیث وآثار میں کمال رکھتے تھے یحیی بن ابی زائدہ کی نسبت میں نہیں کہتا خود صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ سنہ۱۲۰ میں پیدا ہوئے پھر اُنکی شرکت سے سنہ۱۲۱ میں وہ مجلس کیونکر ترتیب دیگئی صاحب سیرۃ النعمان کا ان لوگوں کی نسبت یہ لکھنا (امام صاحب نے ان لوگوں کی شہرت سے

ایک مجلس مرتب کی) آپ کی طرز مورخانہ اور کمال تاریخ دانی کی دلیل ہے۔
اسی سے صاحب سیرۃ النعمان کے بیانات کے صحت کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ خصوصًا
وہ امور جو اُنھوں نے بلاحوالہ کسی کتاب کے لکھے ہیں جیسے وہ امور جو فقہ کی تدوین اور
اُسکی مقبولیت کے نسبت لکھے ہیں۔

اس موقع میں صاحب سیرۃ النعمان سفیان ثوری کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ امام
ابوحنیفہ کی تصنیف سے بے نیاز نہ تھے بلکہ اُسکے متمنّی رہتے تھے چنانچہ آپ سفیان ثوری
کا مقولہ یہ بیان فرماتے ہیں (کاش اُنکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔
میں اسجگہہ سفیان ثوری کا بعض قول امام ابوحنیفہؒ کے نسبت نقل کرتا ہوں جس سے
لوگ صاحب سیرۃ النعمان کے بیان کا وزن کرسکتے ہیں روی البخاری فی تاریخہ الصغیر
قال حدثنا نعیم بن حماد حدثنا الفزاری قال کنت عند سفیان فنعی
النعمان فقال الحمد للہ کان ینقض الاسلام عروۃ عروۃ ما ولد فی
الاسلام اشأم منہ۔ اسیطرح صاحب سیرۃ النعمان کا یہ لکھنا (امام ابوحنیفہ کی زندگی
ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہوگئے تھے)
میں اسکا بیان اوپر کچھ ہو بھی چکا ہے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کی عبارت اس بارہ
میں نقل ہو چکی ہے کہ فقہ حنفی کا رواج کیونکر ہوا اور کسطرح اسکی تدوین ہوئی اور آئندہ
انشاء اللہ حسب موقع اسکا ذکر آئیگا۔
صاحب سیرۃ النعمان نے سبب ترجیح مذہب حنفی اور دلیل مقبولیت یہ لکھی ہے کہ

اکثر سلاطین کا یہی مذہب رہا ۔
میں کہتا ہوں کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ سلاطین اکثر اسی مذہب کے ہوئے ہیں لیکن
یہ کسی مذہب کی حقیت و رشد کی دلیل نہیں ہوسکتی بادشاہ لوگ تو ایسا مذہب ضرور
پسند کرینگے جو اُنکی طبیعت اور خواہش کے موافق ہو اور جسمیں وسعت اور آزادی زیادہ
پائی جاوے اور حنفی مذہب کی نسبت صاحب سیرۃ النعمان خود صفحہ ۲۱۳ میں لکھتے
ہیں (اسمیں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسائل میں نہیں پائی
جاتی) کیونکہ وہ لوگ اصل میں نفس کے پیرو ہوتے ہیں کوئی مذہب بھی موافق ملگیا
تو اُنھوں نے غنیمت سمجھا اسکی ٹھیک مثال نیچریوں کا مذہب ہے انگریزی خیال کے
لوگ نماز روزہ سے گھبراتے تھے ذبیحہ وغیرہ کی قید سے پریشان ہوتے تھے انگریزوں کے
ساتھ کھانے میں اسکی احتیاط نہیں ہوسکتی تھی تو نیچری مذہب کو اُنھوں نے آڑ بنایا پھر
اسلامیوں کے جب اعتراض شروع ہوئے اور الحاد و کفر کے فتوے ہوئے تو صاحب
سیرۃ النعمان نے ایسے وقت میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب غنیمت سمجھا اور اپنے اسلام کی دلیل
میں اُسکو پیش کیا جسکا کچھ بیان اوپر ہوچکا ہے اور آیندہ انشاء اللہ ظاہر ہوگا ۔
صاحب تدین و رشاد اسکو سمجھ سکتا ہے کہ بادشاہوں کو کسی مذہب کا اختیار کرنا حقیت
و رشد کی اُسکے دلیل نہیں ہوسکتی البتہ علما و زہاد و عباد کا کسی مذہب کو اختیار کرنا دلیل رشد
و سداد کی اُس مذہب کے ہے ۔
شاہ ولی اللہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں کہ سلاطین و عوام حنفی مذہب ہوئے اور

دوسرے ائمہ کے مذہب میں محدثین ومفسرین وصوفیہ کرام ہوئے لوگ اس قابل
کا مفاد سمجھ سکتے ہیں۔
اس موقع میں صاحب سیرۃ النعمان نے اسکا بھی انکار کیا ہی کہ سبب شیوع مذہب حنفی
امام ابو یوسف کا قاضی قضاۃ ہونا ہے۔
میں کتب تواریخ اور اقوال علما سے اسکی تصریح پیش کرتا ہوں جس سے یہ بھی ظاہر
ہو جائیگا کہ سلاطین کا اسطرف مائل ہونا اولاً کس وجہ سے ہوا۔ علامہ ابن خلکان امام
ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ سبب عروج امام ابو یوسف اور ہارون رشید کے
یہاں انکی رسائی کا یہ ذریعہ ہوا کہ ہارون رشید نے اپنے گھر میں کسی کو زنا کرتے خود دیکھا
اور سخت کوفت میں ہوا کہ کیا کریں خادم سے کہا کہ کسی فقیہ کو لے آ۔ امام ابو یوسف کو
اُس خادم سے پہلے سے ربط تھا وہ انہیں کو لیگیا ہارون رشید نے انسے پوچھا کہ اگر
امام وقت خود کسی کو زنا کرتے دیکھے تو کیا کرے اور اسوقت ہارون رشید کے چہرے پر
کوفت ورنج کے آثار نمایاں تھے امام ابو یوسف سمجھ گئے کہ یہ ہارون رشید کے گھر کا
واقعہ ہی انھوں نے فتویٰ دیا کہ اس صورت میں حد نہیں ہی ہارون رشید بہت خوش ہوا
اور امام ابو یوسف کو انعام ملے چنانچہ یہ قصہ ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن خلکان
لکھتے ہیں فصار ذلك اصل النعمة یعنے امام ابو یوسف کو ہارون رشید کے دربار میں
رسوخ کی ابتدا اسی ہوئی پھر رفتہ رفتہ قاضی ہوئے پھر قاضی القضاۃ ہوئے ہارون رشید
کے ساری مملکت میں قاضی انھیں کی تجویز سے مقرر ہوتے تھے اور انہیں سے امام

ابو حنیفہ کے مذہب کی ترویج اور شہرت ہوئی چنانچہ اس موقع میں علامہ ابن خلکان
لکھتے ہیں ما کان فی اصحاب ابی حنیفۃ مثل ابی یوسف لولا ابو یوسف ما ذکر
ابو حنیفۃ یعنے امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں قاضی ابو یوسف کا مثل نہیں تھا۔
اگر یہ نہوتے تو امام ابو حنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔
پھر اسی ابن خلکان میں امام ابو یوسف اور ہارون رشید کا ایک قصہ اور مذکور ہے
کہ شب کو سوتے وقت امام ابو یوسف کے پاس ہارون رشید کا آدمی پہنچا کہ بادشاہ
نے بلایا ہے بے وقت کی طلبی سنکر اولا گھبرائے پھر کپڑے پہنکر روانہ ہوئے وہاں پہنچے
تو دیکھا کہ ہارون رشید تنہا ہے اور وہاں عیسیٰ بن جعفر ہے ہارون رشید نے امام ابو یوسف
سے کہا کہ اسکے پاس ایک لونڈی ہے میں اس سے مانگتا ہوں یہ نہیں دیتا اگر نہ دیگا تو
میں اسکو قتل کرونگا امام ابو یوسف نے عیسیٰ بن جعفر سے کہا کہ تم وہ لونڈی کیوں نہیں
دیدیتے اُسنے کہا کہ مینے قسم کھائی ہے کہ اس لونڈی کو نہ بیچونگا اور نہ کسی کو ہبہ کرونگا۔
ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ کوئی راستہ اسکے لیئے ہے قاضی صاحب
نے کہا ہاں آدھی لونڈی آپکے ہاتھ بیچ ڈالے اور آدھی ہبہ کردے آخر عیسیٰ بن جعفر کو وہی
کرنا پڑا اور ہارون رشید نے آدھی لونڈی یوں لی اور آدھی کی قیمت لاکھ دینار دی اور
اُسی وقت لونڈی طلب ہو کر آئی تب ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ ایک
بات اور باقی ہے اس لونڈی کو استبراء رحم کے لیئے عدت کے دن کاٹنے چاہئیں اور
میں آج کی رات صبر نہیں کرسکتا قاضی صاحب نے کہا کیا مضایقہ آپ اس لونڈی کو

آزاد کر دیجئے پھر اُس سے ابھی نکاح کر لیجئے تو عدت ساقط ہو جائیگی ہارون رشید نے وہی کیا اور بہت خوش ہوا قاضی صاحب کو دو لاکھ درہم اور بیس جوڑے کپڑے انعام دیئے۔

—— علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ہارون رشید قاضی ابی یوسف سے اسقدر خوش تھا کہ جب اُنکا ذکر ہوتا تو کہتا کہ یہ قاضی کبھی نہیں معزول ہوگا کما قال کان الرشید اذا ذکرہ یقول هذا الا یعزل ابدا۔ شامی نے حاشیہ در المختار میں بھی اس قصہ کو لکھا ہے اور اُسکی عبارت یہ ہے ان الرشید احضر ابا یوسف لیلاً وعندہٗ عیسیٰ بن جعفر فقال طلبت من هذا جاریة فاخبرانه حلف ان لا یبیعها ولا یهبها فقال ابو یوسف بعه النصف و هبه النصف ففعل فاراد الرشید سقوط الاستبراء فقال اعتقها وازوجکها ففعل وامر له بمائة الف درهم وعشرین دست ثیاب **ترجمہ** ہارون رشید نے رات کے وقت امام ابو یوسف کو بُلایا اور اُسکے پاس عیسیٰ بن جعفر بیٹھا تھا ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ مینے اس سے اسکی لونڈی مانگی تو یہ کہتا ہے کہ مینے اسکے بیچنے اور ہبہ کرنے سے قسم کھائی ہے قاضی ابو یوسف نے کہا کہ آدھی بیچ اور آدھی ہبہ کر پھر ہارون رشید نے چاہا کہ استبراء رحم کی عدت اس لونڈی سے ساقط ہو جائے قاضی صاحب نے کہا کہ اچھا اسکو آزاد کر دیجئے اور میں اسکا نکاح آپ سے کر دوں غرض ایسے ہی کیا اور قاضی صاحب کو لاکھ درہم اور بیس تھان کپڑے دیئے

—— حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفا میں ہارون رشید اور قاضی ابو یوسف کے چند قصے

اس قسم کے نقل کیئے ہیں اخرج السلفی فی الطیوریات بسندہ عن ابن المبارک
قال لما افضت الخلافة الی الرشید وقعت فی نفسه جاریة من جواری المهدی
فراودها علی نفسها فقالت لا اصلح لك ان اباك قد اطاف بی فشغف بها فارسل
الی ابی یوسف فسألہ اعندك فی هذا شیٔ فقال یا امیر المؤمنین او كلما ادعت
امة شیئا ینبغی ان تصدق لا تصدقها فانها لیست بمامونة قال ابن المبارك
فلم ادر ممن اعجب من هذا الذی وضع یدہ فی دماء المسلمین واموالهم
یتحرج عن حرمة ابیه او من هذه الامة التی رغبت بنفسها عن امیر المؤمنین
او من هذا فقیه الارض وقاضیها قال اهتك حرمة ابیك واقض شهوتك و
صیرہ فی رقبتی **ترجمہ** سلفی نے طیوریات میں بسند ابن المبارک سے نقل کیا کہ جب
ہارون رشید خلیفہ ہوا تو اپنے باپ کی ایک لونڈی پر اُسکی طبیعت آئی اور اپنی خواہش اُس پر
ظاہر کی اُس لونڈی نے کہا کہ میں تمھارے لیئے حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ تمھارے باپ
نے میرے ساتھ خلوت کی تھی پھر ہارون رشید کا عشق بڑھا تو اُسنے قاضی ابو یوسف
کو بلا کر کہا اس لونڈی کے حلال ہونے کی کوئی صورت تمھارے پاس ہے قاضی صاحب
نے کہا کہ کیا لونڈی جو دعوٰی کریگی وہ مان لیا جائیگا آپ اُسکی بات نہ مانیئے کیونکہ وہ
جھوٹ سے محفوظ نہیں ابن المبارک کہتے ہیں میں نہیں جانتا کہ میں کس سے تعجب
کروں آیا اس بادشاہ سے جسنے مسلمانوں کے خون و مال میں ہاتھ ڈالا اور اپنے
باپ کی حرمت کا لحاظ نکیا یا اُس لونڈی سے کہ بادشاہ نے اُس سے خواہش کی اور

اُسنے پرہیز کیا یا اس قاضی فقیہ زمانہ سے کہ اجازت دیدی کہ اپنے باپ کی ہتک حرمت کر اور اپنی خواہش پوری کر اور اُسکو میری گردن میں ڈال۔

حافظ سیوطی نے دوسرا قصہ یہ نقل کیا ہی اخرج ایضاً عن عبد اللہ بن یوسف قال قال الرشید انی اشتریت جاریۃً واریدان اطأھا الاٰن قبل الاستبراء فھل عندک حیلۃ قال نعم ھبھا لبعض ولدک ثم تزوجھا۔ ترجمہ سلفی نے عبد اللہ ابن یوسف سے روایت کی ہی کہ ہارون رشید نے قاضی ابی یوسف سے کہا کہ مینے ایک لونڈی خریدی ہے اور مین چاہتا ہوں کہ بغیر استبراء رحم کیئے ہوئے اسوقت اُس سے صحبت کروں اُسکے حلال ہونے کا تمھارے پاس کوئی حیلہ ہے قاضی صاحب نے کہا ہاں آپ وہ لونڈی اپنے کسی لڑکے کو ہبہ کر دیجیئے بعد اُسکے اُس سے نکاح کر لیجیے

—— حافظ سیوطی نے تیسری روایت یہ نقل کی ہی لما اخرج عن اسحٰق بن راھویہ قال دعا الرشید ابا یوسف لیلاً فافتاہ فامر لہ بمائۃ الف درھم فقال ابو یوسف ان راٰی امیر المؤمنین امر بتعجیلھا قبل الصبح فقال عجلوھا فقال بعض من عندہٗ ان الخازن فی بیتہ والابواب مغلقۃ فقال ابو یوسف فقد کانت الابواب مغلقۃ حین دعانی ففتحت ترجمہ امام اسحٰق بن راہویہ سے مروی ہے کہ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف کو رات کے وقت بُلایا اور اُنھوں نے فتوی دیا تو اُسنے لاکھ درہم انعام کا حکم دیا قاضی صاحب نے کہا یہ روپے اسیوقت رات ہی کو مجھے ملجاتے اُسپر کسی نے وہاں پر کہا کہ خزانچی اپنے گھر ہے اور دروازے تمام بند ہو چکے ہیں قاضی صاحب نے

کہا جب ہم بُلائے گئے تھے تب بھی دروازے بند تھے آخر کھولے گئے ۔

ہم کہتے ہیں کہ قطع نظر ان قصوں کے مسائل حنفیہ کے تتبّع سے اسکا پتہ لگجاتا ہی کہ اس مذہب کو امرا و سلاطین کے اختیار کرنے کی کیا وجہ ہے حنفی مذہب میں نکاح یوں بھی منعقد ہوجاتا ہی کہ ایجاب وقبول کے ایسے الفاظ ہوں جنکے معنے عورت کو معلوم نہوں مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو ایسا لفظ کسیطرح سکھادے جسکا معنی ایجاب ہو اور وہ عورت نہیں سمجھتی ہو اگر اُس عورت نے وہ کلمہ دو شخص کے سامنے کہا اور مرد نے قبول کرلیا تو حنفی مذہب کے رو سے نکاح ہوگیا اگرچہ گواہوں نے بھی وہ معنی نہ سمجھے ہوں شامی میں لکھا ہی قال فی الفتح لو لقنت المرأۃ زوجت نفسی بالعربیۃ ولا تعلم معناہ وقبل والشہود یعلمون ذلک او لا یعلمون صح ومثل ھذا فی جانب الرجل **ترجمہ** فتح القدیر میں ہی کہ اگر عورت کو لفظ (زوجت نفسی) عربی میں سکھا دیا گیا اور وہ اُسکے معنے نہیں جانتی اور مرد نے قبول کرلیا اور گواہ لوگ بھی اُسکے معنی جانتے ہوں خواہ نجانتے ہوں بہرصورت نکاح صحیح ہوگیا۔ اور اسیطرح مرد کیجانب بھی ہے ۔

اسیطرح حنفی مذہب میں جواز نکاح کی ایک صورت یہ ہی کہ کسی عورت سے بلاعلم اُسکے اقارب باپ۔ دادا۔ چچا۔ بھائی وغیرہ کے خفیہ طور پر دو شخص کے سامنے ایسے کلمات کہلا لیئے یا اور کسیطرح ایجاب وقبول کرالیا اور کسی کو اسکی خبر نہوئی ۔

—— امام محمد کتاب الحجج میں اِس مسئلہ کی مخالفت کی وجہ سے علماے مدینہ پر طعن کرتے ہیں اسیطرح حنفی مذہب کا یہ مسئلہ کہ پرائی بیوی یا کوئی عورت غیر منکوحہ پر اگر کسی نے دو گواہ جھوٹے

سے کہلا کر ڈگری کرا لی تو وہ عورت اُسپر حلال ہوگئی اِس مسئلہ کو تو صاحب سیرۃ النعمان نے بھی لکھا ہے اسی قسم کے مسائل کی وجہ سے اُس زمانہ کے محدثین کے وہ اشعار ہیں جو ابن قتیبہ نے کتاب المعارف (جس سے صاحب سیرۃ النعمان سند لائے ہیں) میں نقل کیئے ہیں جنہیں کا آخر شعر یہ ہے شعر وکم من فرج محصنة عفیف + احل حرامه بابی حنیفه +

یہاں سے وہ بھی غلط ٹھہرا جو صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۲۰۲ میں لکھا ہے کہ اہل الرائے کے مذہب پر کسی نے طعن نہیں کیا۔

اور اسیطرح حنفی مذہب کا یہ مسئلہ کہ نکاح کے لیئے دو گواہ ہونا کافی ہے خواہ وہ گواہ کیسے ہی ہوں فاسق ہوں۔ زانی ہوں۔ کسی پاکدامن پر تہمت زنا لگانے میں سزا یافتہ ہوں اور تائب بھی نہوئے ہوں یا نکاح کے وقت وہ دونوں گواہ نشہ میں چور ہوں ویصح بشہادة الفاسقین والاعمیین کذا فی فتاوی قاضی خان وکذا بشہادة المحدودین فی القذف وان لم یتوبا کذا فی بحر الرائق وکذا یصح بشہادة المحدود فی الزنا ھکذا فی الخلاصة۔ عالمگیری۔ ولو تزوج امرءة بحضرة السکاری وھم عرفوا امر النکاح غیر انھم لا یذکرونه بعد ما صحوا انعقد النکاح ھکذا فی خزانة المفتین۔ عالمگیری

اِس قسم کے مسائل حنفی مذہب میں بہت ہیں جنکا ذکر موجب تطویل ہے مینے بطور نمونہ کے چند مسئلے ذکر کر دیئے غرض یہ ہے کہ حنفی مذہب کے مسائل ایسے تھے کہ امرا و سلاطین کی طبیعت اور خواہش کے مناسب ہوں اور یہ نکاح وغیرہ ہی کے مسائل ویسے نہیں ہیں بلکہ ہر باب میں مزعفر پانی سے وضو حنفی مذہب میں جایز ہے یہ سلاطین مہذبین کی طبیعت کے

مناسب ہے تیمم میں امرا و سلاطین کو منھ میں خاک ملنا غیر مطبوع ہے حنفی مذہب میں پتھر سنگ مرمر۔ یاقوت ہیرہ۔ یشب۔ عقیق۔ زمرد پر تیمم جائز ہے لہذا اس مذہب کو سلاطین و امرا کی طبیعت کے ساتھ مناسبت ہی صبح کو سویرے اُٹھنا سلاطین و امرا سے نہیں ہوسکتا حنفی مذہب میں صبح کی نماز آخر وقت پڑھنی چاہیئے لہذا اُنھوں نے اسی کو اختیار کیا نماز میں دیر تک ٹھہرنا امیروں پر گراں ہے حنفی مذہب میں صرف بقدر ایک آیۃ قیام کرنا اور رکوع و سجود اسطرح کرنا کہ اُسمیں بالکل نہ ٹھہریں کافی ہے امرا و سلاطین کو یہی آسان معلوم ہوا۔ رمضان میں غیر سبیلین میں یا جانور وغیرہ کے ساتھ وطی کرنے میں روزہ نہیں جاتا یہ مسئلہ حنفی مذہب کا مناسب حال خواہش پرستوں کے ہی و علی ہذا القیاس۔ کوتہ اندیش لوگ کہینگے کہ انھوں نے حنفی مذہب کی عیب چینی کی ہے اور حاشا ایسا نہیں ہے بادشاہوں کو یہ مذہب پسندیدہ ہونے کی وجہ بیان کرنی مقصود ہی لہذا مثال کے طور پر چند مسئلے لکھدیئے اگر عیب چینی مقصود ہوتی تو سینکڑوں ایسے مسئلے تھے۔

صاحب سیرۃ النعمان بھی صفحہ ۲۱۰ میں لکھتے ہیں (تمدن کے ساتھ جسقدر انکی فقہ کو مناسبت تھی کسی کی فقہ کو نہ تھی یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ اُنھیں ملکوں میں رواج ہوا جہاں تہذیب اور تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی)

میں بھی کہتا ہوں کہ صاحب سیرۃ النعمان کا کلام ٹھیک ہے زمانہ صحابہ اور تابعین کے بعد بادشاہان اسلام نے جس قسم کی ترقی کی تھی اُسکے مناسب حنفی مذہب تھا آج بھی ترقی خواہ اور ترقی یافتہ جو لوگ کہلاتے ہیں وہ اسی مذہب کو پسند کرتے ہیں آخر صاحب سیرۃ النعمان

بھی اُسی قسم کے ہیں آپ کو اپنے مسلمان ہونے پر امام ابو حنیفہؒ سے بڑھکر کسکی شہادت مِلسکتی ہے۔
اس موقع میں صاحب سیرۃ النعمان نے امام ابن حزم کے اِس قول پر کلام کیا ہے کہ سبب
رواج مذہب حنفی قاضی ابو یوسف کا قاضی القضاۃ ہونا ہے صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں
(یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے) **میں** کہتا ہوں کہ یہ امام ابن حزم کی ظاہر بینی نہیں ہے
بلکہ صاحب سیرۃ النعمان کا اُنکی نسبت یہ خیال کمال درجہ کی خیرہ چشمی پر مبنی ہے آپ کو
مورّخ ہونے کا دعوی ہے مگر آپ کتب سیر میں کہیں اسکے خلاف نہیں دکھا سکتے امام
رازی کی عبارت جو آپنے نقل کی ہے اسمیں بھی یہ نہیں ہے کہ رواج اس مذہب کا امام
ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہونے کے سبب سے نہیں ہوا۔
علامہ ابن خلکان قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں لولا ابو یوسف ما ذکر ابو حنیفۃ
یعنے اگر ابو یوسف نہوتے تو ابو حنیفہ کا کہیں ذکر بھی نہیں ہوتا۔
اور حجۃ اللہ البالغہ میں ہے وکان اشہر اصحابہ ذکرا ابو یوسف رحمہ اللہ فولی قضاء
القضاۃ ایام ھارون الرشید فکان سببا لظھور مذھبہ والقضاء بہ فی اقطار العراق
وخراسان وما وراء النھر **ترجمہ** امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے سب سے زیادہ مشہور
ابو یوسف ہیں یہ ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ ہوئے امام ابو حنیفہ کا مذہب
اسی سبب سے ظاہر ہوا اور عراق وخراسان وما وراء النہر میں اسپر فیصلے ہوئے۔
—— اِسپر صاحب سیرۃ النعمان اِس موقع میں لکھتے ہیں (قاضی ابو یوسف کا اثر ہارون رشید
کے زمانہ تک محدود تھا)۔

میں کہتا ہوں کہ قاضی ابو یوسف اکیلے نہ تھے بلکہ اُنھوں نے یہ کام کیا تھا کہ ہارون رشید کی تمام مملکت میں قضاۃ اپنے ہی مذہب کے مقرر کیئے تھے جو تمام عراق ماوراءالنہر و خراسان کے ملکوں میں پھیلگئے اور اس مذہب کی ترویج بزور حکومت قضا کرتے رہے ایسے بزور رواج یافتہ امر کا مٹنا آسان نہ تھا تیمور نے ہندوستان میں تعزیہ کو رواج دیا جسکو سینکڑوں برس ہوئے علما کو اسکے مٹانے کی کسقدر کوشش رہی مگر آجتک شیعہ در کنار سنیوں میں تعزیہ داری موجود ہے اکبر نے شادیوں میں رسوم ہندوں کے جاری کیئے جسکو سینکڑوں برس ہوئے اور علما اسکے مٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر آجتک مسلمانوں کے یہاں وہ رسوم جاری رہے عوام میں رواج کا مٹنا ایک مشکل امر ہے لوگ اپنے کو امام ابوحنیفہؒ کا مقلد کہتے ہیں اور تعزیہ داری اور قبر پرستی اور پیر پرستی وغیرہ سب امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہے اور لوگ باوجود تعصب حنفیت کے ان رواج یافتہ امور کو نہیں چھوڑتے قاضی ابو یوسف ہارون رشید کے حکم سے عیدین میں بارہ تکبیر اپنے مذہب کے خلاف کہتے تھے اور اسکا رواج ہوگیا تھا۔ صاحب ہدایہ اپنے زمانہ ششم صدی کا حال لکھتے ہیں کہ اسوقت تک اُسی بارہ تکبیر کا رواج ہے ۔ وظهر عمل العامة اليوم بقول ابن عباس لامر بنيه الخلفاء واما المذهب الاول **ترجمہ** اسوقت تمام لوگوں کا عمل ابن عباس کے قول (بارہ تکبیر) پر ہے کیونکہ خلفائے عباسیہ نے یہ حکم کیا تھا۔ باقی رہا مذہب وہ اول یعنی چھ تکبیر ہے ۔ ہدایہ ۔

دیکھو مذہب کے خلاف جو بادشاہ نے حکم جاری کیا تھا وہ اُسوقت تک جاری رہا صاحب سیرۃ النعمان بتائیں کہ تعزیہ وغیرہ کو یہ غیر منقطع کامیابی کسنے پیدا کردی تو میں بھی بتادونگا کہ

رواج مذہب کو دیرپا اور غیر منقطع کامیابی اس چیز نے پیدا کی۔ انگریزی وضع میں ایسی مقبولیت کسنے پیدا کر دی کہ مدعی اجتہاد اور نعمانی بھی جاکٹ پتلون پہننے لگے۔ آخر اُس موقع میں بھی یہی بات کہی جاتی ہے کہ یہ وضع انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزون واقع ہوئی ہے اور بالخصوص تمدّن کے ساتھ جسقدر اِس وضع کو مناسبت ہے کسی کو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں تہذیب وتمدن نے آج کل زیادہ ترقی کی ہے وہاں کی یہی وضع ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اِس موقع میں یہ بھی لکھا ہے کہ مغرب واندلس میں امام مالک کا مذہب رواج پانے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں نے ترقی نہیں کی تھی اور انمیں بدویت غالب تھی اور اسمیں تاریخ ابن خلدون کا حوالہ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن خلدون کی تقریر اِس موقع میں یہ ہے کہ مغرب واندلس میں امام مالک کا مذہب رواج پانے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگ حرمین میں کثرت سے آتے جاتے تھے اور عراق والوں سے انکو سروکار نہوا اور بدویت یعنی وضع وسیرت کی وجہ سے اہل حرمین کی طرف اُن لوگوں کو میلان زیادہ تھا یعنی اُن لوگوں میں زمانہ صحابہ وتابعین کی سادگی چلی آتی تھی چنانچہ ابن خلدون کی عبارت یہ ہے انھم لم یقلد وا غیرہ الا فی القلیل لما ان رحلتھم کانت غالبۃ الی الحجاز وھو منتھی سفرھم والمدینۃ یومئذٍ دار العلم ومنھا خرج الی العراق ولم یکن العراق فی طریقھم فاقتصروا علی الاخذ عن علماء المدینۃ وایضًا فالبداوۃ کانت غالبۃ علی اہل المغرب والاندلس ولم یکونوا

یعافون الحضارۃ التی لاهل العراق فکانوا لاهل الحجاز امیل لمناسبۃ البداوۃ۔ انتہی ملخصاً

ترجمہ ان لوگوں نے سوا امام مالکؒ کے اور کسی کی تقلید نہیں کی مگر کم اسکی وجہ یہ تھی کہ اکثر آمد و شد انکی حجاز کی طرف تھی اور وہیں تک انکا آنا جانا تھا اور اُس زمانہ میں مدینہ دارالعلم تھا وہیں سے علم عراق میں پہنچا تھا اور اہل مغرب واندلس کی راہ میں عراق نہیں پڑتا تھا لہذا اُن لوگوں نے علماے مدینہ ہی سے اخذ کیا اور یہ بھی بات تھی کہ مغرب واندلس والوں میں بدویت غالب تھی اور انکو عروج عراق والوں کا سا نہ تھا اس بدویت کی مناسبت کی وجہ سے انکو اہل حرمین کی طرف میلان زیادہ تھا۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اہل مغرب واندلس کو حرمین والوں سے وضع وسیرت میں مناسبت تھی ہاں اُس قسم کی ترقی وتہذیب وتمدن جو عراق والوں میں بسبب شاہی تعلقات کے بڑھ گئی تھی وہ اُنمیں نہ تھی ورنہ تہذیب شرعی اہل حرمین صحابہ وتابعین وتبع تابعین و اہل بیت نبی صلعم میں عراق والوں سے کہیں زیادہ تھی انھیں لوگوں سے حرمین آباد تھا۔ تہذیب شرعی کی دو ایک مثال ہم دیتے ہیں جس سے اہل مدینہ واہل عراق کی تہذیب کا موازنہ ہو سکتا ہے اہل مدینہ استنجا واستبرا دونوں کرتے تھے یعنی کلوخ بھی لیتے پھر پانی سے بھی دھوتے تھے جبپر آیہ کریمہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا نازل ہوئی اور حنفی مذہب میں مطلقاً استنجا ہی ضرور نہیں نجاست غلیظہ کم از قدر درہم اگر کپڑے میں لگی ہو اور نجاست خفیفہ بالشت بھر لگی ہو تو حنفی مذہب میں کوئی مضایقہ نہیں ان معنوں کرکے تو حنفی مذہب میں تہذیب نہیں ہے اگر صاحب سیرۃ النعمان کی مراد یہ ہے

کہ لباس و گذران میں تکلفات کی ترقی و تہذیب اہل عراق میں زیادہ تھی تو ہم مانتے ہیں۔
اسکے بعد صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب
نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا) میں کہتا ہوں کہ امتیاز
قائم کرنے کے معنی تو یہ ہیں کہ وجہ امتیاز درمیان دونوں کے بیان کیجائے اور یہ امام ابوحنیفہ
نے نہیں کیا مجرد حکم کسی کو تشریعی اور کسی کو غیر تشریعی کہدینا اسکو امتیاز قائم کرنا نہیں
کہتے اگر آپ فرمائیں کہ ہماری مراد امتیاز قائم کرنے سے مجرد تقسیم ہے تو یہ بات غلط ہے
آپ خود لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے یہ تقسیم کی تھی اور چند امور کو غیر تشریع قرار دیا
تھا۔ علاوہ آنحضرت صلعم ہی نے اسکو فرمادیا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت جو آپ
نے خود نقل کی ہے وہ اسپر شاہد ہے کہ امام ابوحنیفہ سے کہیں پہلے یہ تقسیم ہوئی تھی۔
اگر آپ کی مراد امتیاز قائم کرنے سے یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے چند امور کو غیر تشریعی قرار
دیا جیسے غسل جمعہ وغیرہ تو بھی غلط ہے امام ابوحنیفہ کا اس بارہ میں کچھ اجتہاد نہیں ہے
بلکہ ابراہیم نخعی نے جو اس بارہ میں کہا تھا اُسی کو امام ابوحنیفہ نے اختیار کیا کتاب الآثار
میں امام محمد نے ابراہیم نخعی کا قول نقل کر کے کہا ہے بہذا ناخذ یعنے ہم لوگ اسی کو
اختیار کرتے ہیں محمد قال اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم فی الغسل یوم الجمعۃ
قال ان اغتسلت فھو حسن وان ترکتہ فحسن یعنے امام محمد کہتے ہیں کہ خبر کی مجکو ابوحنیفہ نے
حماد سے اور اُنھوں نے ابراہیم نخعی سے کہ غسل جمعہ کے بارہ میں ابراہیم نخعی نے کہا کہ اگر غسل
کیا تو بھی اچھا اور نہ کیا تو بھی اچھا جس سے ظاہر ہے کہ یہ بات ابراہیم نخعی کی کہی تھی اور امام

ابو حنیفہؒ نے اُسکو اختیار کیا تھا ایسے موقع میں صاحب سیرۃ النعمان کا قول (سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کا ذہن اُسطرف منتقل ہوا) کسقدر سچ ہے۔

اکثر فقہاے حنفیہ غسل جمعہ کو سنت اور بعض مستحب لکھتے ہیں اور یہ دونوں احکام تشریعی کی قسمیں ہیں تو فقہاے حنفیہ نے بھی امام ابو حنیفہ کے اس قول کو نہیں مانا۔

امام مالک نے غسل جمعہ کو واجب اس بنا پر کہا کہ انکو حدیث رسول اللہ صلعم اذا اتی احدکم الجمعۃ فلیغتسل بصیغہ امر پہنچی اور اس اصول میں کہ امر وجوب کے لیئے ہوتا ہے حنفیہ کو شافعیہ سے زیادہ کد ہے امام شافعیؒ کے نزدیک کلیتہً یہ بات نہیں ہے اور اصول حنفیہ میں یہ قاعدہ کلیہ مذکور ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ تارک غسل جمعہ پر ملامت کرتے تھے کیا امام ابو حنیفہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکتہ شناس اُنسے زیادہ تھے امام شوکانی کو صاحب سیرۃ النعمان نے طلاق کے مسئلہ میں کہا کہ حضرت عمر قاضی شوکانی سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے امام شوکانی نے تو حدیث صحیح صریح متفق علیہ کے مقابلہ میں کہا کہ حضرت عمر کی رائے حکم رسول اللہ صلعم کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ تو قول ابراہیم نخعی کے مقابلہ میں حضرت عمر کی بات غسل جمعہ کے بارہ میں نہیں مانتے۔ کیا صاحب سیرۃ النعمان کو یہاں نہیں کہنا چاہیئے کہ حضرت عمر امام ابو حنیفہ یا ابراہیم نخعی سے احکام شرعیہ کے مراتب زیادہ سمجھتے تھے۔

خروج النساء فی العیدین

اس مسئلہ میں امام محمد نے کتاب الحجج میں امام ابو حنیفہ کا قول نقل کیا ہے قال ابوحنیفۃ

فی خروج النساء فی العیدین قد کان یرخص فیه یعنی خروج نساء فی العیدین کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ نے کہا کہ اس بارہ میں رخصت دیگئی تھی اس مضمون کا مفاد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس بارہ میں عورتوں کو رخصت دی تھی میں کہتا ہوں کہ لفظ رخصت کا مقتضا یہ ہے کہ عورتوں نے اجازت چاہی تھی آنحضرت صلعم نے اجازت دی تھی حالانکہ ایسی بات نہیں ہے ام عطیہ کی روایت میں صریح مذکور ہے کہ آنحضرت نے عورتوں کو عیدین میں جانے کا حکم دیا اسپر عورتوں نے عذر کیا کہ بعض کے پاس ایسی چادر نہیں ہے جسکو اوڑھکر باہر نکلے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جسکے پاس ویسی چادر نہو وہ کسی سے مستعار لیلے عورتوں کے طرف سے دوسرا عذر ہوا کہ بعض عورتیں حیض میں ہیں نیز قابل شرکت نماز نہیں ہیں آنحضرت نے فرمایا کہ ایسی عورتیں نماز میں نہ شریک ہونگی دعا میں تو شریک ہونگی ۔ جو حکم اسطور پر دیا گیا ہو اسکو کوئی رخصت اور غیر تشریعی کہسکتا ہے دوسری روایت میں مردوں کو خطاب ہے کہ اللہ کی لونڈیوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو کیا شرکت نماز و دعا دینا دینی امر ہے اور کیا مردوں کو امور غیر تشریعی میں بھی عورتوں پر روک ٹوک کا حق نہیں ہے ۔

اگر یہ حکم بر سبیل رخصت ہوتا تو تغیر احوال کے وقت صحابہ رسول اللہ صلعم عورتوں کو منع کرتے حالانکہ حضرت عائشہ کا قول لو ادرک رسول اللہ صلعم ما احدث النساء لمنعهن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل اسپر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے عورتوں کو منع نہیں کیا کیونکہ وہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلعم عورتوں کے آجکل کی

روشن دیکھتے تو مسجدوں میں جانے سے اُنکو منع کرتے اسکے یہی معنے ہیں کہ آنحضرت
کے فرمان کو دوسرا کون اُٹھا سکتا ہے آنحضرت ہی ہوتے تو اُٹھاتے اگر حضرت
عایشہ اسکو حکم تشریعی نہ سمجھتیں تو یوں فرماتیں کہ یہ حکم تشریعی نہیں ہے آنحضرت نے
اُسوقت اجازت دی تھی مگر عورتوں کی حالت موجودہ اُس اجازت کی مورد نہیں ہوسکتی
صاحب سیرۃ النعمان نے بھی حضرت عایشہ کے قول کا مطلب یہی سمجھا تھا اسی واسطے
اُنھوں نے یہ چالاکی کی کہ حضرت عایشہ کے قول (لمنعهن) کا ترجمہ (اجازت نہ دیتے)
لکھا ہے حالانکہ یہ ترجمہ محض غلط ہے۔ علاوہ حضرت عایشہ کا یہ قول حضور مساجد کے
بارہ میں ہے نہ خروج عیدین کے بارہ میں حضور مساجد روز کا قصہ ہے اور خروج فی العیدین سال
میں صرف دو مرتبہ پیش آتا ہے ایک کا دوسرے پر قیاس نہیں ہوسکتا ۔

صاحب سیرۃ النعمان کی یہ تقریر کہ حضرت عایشہ نے رسول اللہ کی اس اجازت کو تشریعی
اور لازمی نہیں قرار دیا ورنہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اُسپر کیا اثر پڑسکتا ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ اس تقریر میں کئی وجہوں سے نظر ہے آپنے تشریعی اور لازمی حکم
بر سبیل عطف فرمایا ہے جس سے متبادر یہ ہے کہ لازمی حکم تشریعی کی تفسیر ہے حالانکہ
تشریعی لازمی حکم سے عام ہے لازمی حکم فرائض و واجبات ہیں اور تشریعی میں سنن و
مستحبات بھی داخل ہیں ۔

یہ بھی بالکل غلط ہے کہ امور تشریعی میں زمانہ اور حالات کے اختلاف سے عموماً اثر نہیں پڑسکتا
آنحضرت صلعم نے بہت سے امور شرعیہ کو بعض مصالح کے لحاظ سے ترک فرمایا اور بعض

کو بلحاظ مشقت واجب نہیں کہا جیسے رمضان میں نماز شب آپنے اس لحاظ سے
چھوڑ دی کہ لوگ اسکے شائق بہت ہیں ایسا نہو کہ فرض ہو جاوے۔ مسواک کے بارہ میں
خود آنحضرت صلعم نے فرمایا لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسوالت عند کل صلوٰۃ یعنی
اگر امت کی مشقت کا خیال نہوتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کرنا میں فرض کر دیتا۔
بناے کعبہ میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر لوگ حدیث العہد بالکفر نہوتے تو میں
بیت اللہ کو توڑ کر نئے سرے سے حضرت ابراہیم کے نمونہ پر اُسی وضع سے اُسکو بنا دیتا۔
حضرت عایشہ کی یہی غرض تھی کہ جیسے آنحضرت صلعم نے باعتبار احوال لوگوں کے ان
امور کو ترک کیا یا حکم نہیں فرمایا ایسے ہی اگر آنحضرت صلعم اسوقت ہوتے تو عورتوں کی
حالت موجودہ دیکھکر عیدین میں عورتوں کو جانے کا حکم نہ فرماتے یا جیسے باعتبار احوال
لوگوں کے اولاً زیارت قبور سے آنحضرت صلعم نے منع فرمایا اور پھر بعد اصلاح حال لوگوں
کے زیارت قبور کا امر فرمایا جسپر حدیث کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا الحدیث
شاہد ہے اور اس حدیث پر سب کا اتفاق ہے حضرت عایشہ کا مقصود یہ ہے کہ جسطرح امر بعد النہی باعتبار
اختلاف احوال لوگوں کے ہوا تھا اُسی طرح خروج النساء فی العیدین میں اگر آنحضرت ہوتے
تو نہی بعد الامر فرماتے۔ غرض حضرت عایشہ کے کلام کا یہ کسیطرح مفاد نہیں ہوسکتا کہ یہ
امر تشریعی نہ تھا اگر اختلاف احوال کا اثر پڑنا موجب اسکو ہو کہ وہ امر تشریعی نہو تو لازم یہ آئیگا
کہ جو جو امور میںنے ذکر کیئے وہ سب امور تشریعی نہوں اور یہ کوئی عاقل متدین
نہیں کہسکتا۔

نفاذ طلاق

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے نفاذ طلاق کو تشریعی نہیں قرار دیا
میں کہتا ہوں کہ اس سے آپ کی کیا غرض اگر یہ مراد ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک
کسی طلاق پر حکم نفاذ کرنا امر تشریعی نہیں ہے تو معنٰی یہ ہوئے کہ جس طلاق کو امام ابوحنیفہ
نافذ کہیں وہ تشریعی نہیں ہے یعنی اُسکی پابندی ضرور نہیں اور یہ محض غلط ہے ورنہ زن
مطلقہ حرام نہوگی حالانکہ امام ابوحنیفہ حرمت کے قائل ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ نفاذ
طلاق کے احکام جو شریعت میں مذکور ہیں وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تشریعی طور پر
نہیں ہیں تو بھی محض غلط ہے نہ امام ابوحنیفہ اسکے قائل ہیں اور نہ واقع میں ایسا ہے کہ
شریعت میں نفاذ طلاق کا ذکر تشریعی طور پر نہو قرآن میں اللہ پاک نے جہاں طلاق کے احکام
فرمائے ہیں وہاں ارشاد ہوا ہے تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن يتعد حدود الله
فاولئك هم الظلمون یعنے یہ اللہ کی حدیں مقرر کی ہوئی ہیں اس سے بڑھو گھٹو مت
جو اللہ کی حدوں کا لحاظ نکرے وہ ظالم ہے۔ ایسے احکام کو غیر تشریعی کون کہسکتا ہے
حرمت و وجوب جن احکام کے ساتھ متعلق ہیں اُنکو غیر تشریعی کہنا خام عقلی نہیں تو کیا ہے
اور اگر یہ مراد ہے کہ اکٹھے تین طلاق پر ایک طلاق کا حکم جو آنحضرت نے دیا وہ حکم تشریعی نتھا
یعنے اُسکی پابندی ضروری نہیں ہے لہٰذا حضرت عمرؓ نے اُسکو تین ہی طلاق قرار دیا تو اُس
سے کیا حاصل اگر آنحضرت صلعم کا حکم اسکے متعلق تشریعی نہیں ہے تو حضرت عمر کا حکم اسکے متعلق
کیونکر تشریعی ہو سکتا ہے اسیوجہ سے امام شوکانی نے کہا کہ رسول اللہ صلعم کا حکم اس بارہ

ہیں اگر تشریعی اور لازمی حکم نہیں ہے تو حضرت عمر کا حکم کیوں لازمی ہونے لگا جسکو صاحب
سیرۃ النعمان نے نہیں سمجھا اور امام شوکانی پر طعن کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر کا قول
خود اسپر دلالت کرتا ہی کہ آپنے من حیث السیاسۃ تہدیداً یہ حکم دیا تھا کیونکہ وہاں مضمون
یہ ہی کہ جب لوگ تین طلاق ایک دفعہ دینے لگے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اللہ و رسول نے
جسمیں تاخیر کی تھی اُسمیں لوگ تعجیل کرنے لگے تو لو میں اُسکو نافذ کر دیتا ہوں حضرت عمر کا
نہج سخن اسپر دلالت کرتا ہی کہ لوگوں کے خلاف سنت کرنے پر آپنے تہدیداً یہ حکم دیا تھا جس سے
ظاہر ہے کہ حضرت عمر کا وہ حکم تشریعی طور پر نہ تھا۔

تعیین جزیہ

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (تعیین جزیہ تشخیص خراج وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں اونکو
امام ابو حنیفہ نے امور غیر تشریعی میں داخل کیا ہی) میں کہتا ہوں کہ اس سے آپ کی کیا غرض
اگر یہ مراد ہی کہ جزیہ کی مقدار خاص مقرر کرنی یہ تشریعی امر نہیں ہی تو اولاً آپ اس بارہ میں امام ابو حنیفہ
کا قول پیش کیجئے دوسرے اگر ایسی بات تھی تو امام ابو حنیفہ رح نے جزیہ کی مقدار کیوں مقرر
کی اسکو امام وقت کی رائے پر مفوض کر دی جیسا کہ مصالحت کی صورت میں بنا بر روایت
نصاریٰ نجران کے امام ابو حنیفہ مقدار جزیہ کی تعیین رائے امام پر مفوض کرتے ہیں دیکھو
ہدایہ فتح القدیر وغیرہ ایسے ہی تشخیص خراج کی نسبت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے جو مقدار حضرت
عمر رض نے مقرر کر دی تھی اُس سے زیادہ جائز نہیں اگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ امر تشریعی
نہ تھا تو منع زیادت کی کیا وجہ۔ علاوہ جبتک کسی روایت میں مقدار خاص کی تعیین نہو

تب تک یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ نے اس تعیین کو تشریعی نہیں قرار دیا لغو نہیں تو کیا ہی
ایسے ہی تقسیم غنائم کو اگر امام ابو حنیفہ تشریعی امر نہیں قرار دیتے تو اسمیں تحدید و بیان
وجہ تقسیم کی کیا ضرورت تھی۔ باقی رہا خمس میں بنی ہاشم کے حصہ میں اختلاف اسکے مزید
بیان کا یہاں محل نہیں ہے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے اسکے بعد اصول کے متعلق جو کچھ لکھا ہی اُسکی بحث گذر چکی اور
قانونی حیثیت سے جو کلام کیا ہی اور فقہ کو ایک قانون عقل و تجربہ کے موافق قرار دیا ہی اُسکی
نسبت میں کچھ لکھنا کوئی بکار آمد امر نہیں خیال کرتا اور یہ بھی بات ہی کہ انسان کے مقتضیات
عقل جداگانہ ہوتے ہیں مثلاً امام شافعی کے نزدیک نکاح میں دو گواہ ثقہ اچھے لوگ
ہونے چاہئیں اسکو صاحب سیرۃ النعمان ناپسند کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک
نکاح میں اچھے لوگوں کا ہونا ضرور نہیں دو بدمعاشوں کے بلا لینے سے بھی نکاح ہو جائیگا۔ اِسکو
صاحب سیرۃ النعمان کی عقل پسند کرتی ہی تو اسپر کیا محل سخن ہے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

احکام شرعیہ مصالح پر مبنی ہیں

اِسکو ہم بھی مانتے ہیں مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ انسان اپنی عقل سے مصالح سوچکر احکام
مقرر کرے اور اُسکو احکام شرعیہ قرار دے یا احکام منصوصہ میں اپنی عقل لگا کر اُسکی ترمیم و
تنسیخ کرے بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ جو امور شریعت محمدی صلعم میں ثابت ہیں اُنکی مصالح
و اسرار اپنی عقل بھر سوچنے اور اس قسم کی کتابوں کے طرف رجوع کرے اگر وہ مصالح
سمجھ میں آجاویں تو اُنکا لحاظ رکھے مثلاً شراب و جوئے کی حرمت میں بمقتضائے کریمہ

انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر خیال کرے کہ مسلمانوں
کے آپسمیں بغض وعداوت کا ایک ذریعہ شراب وجوا تھا لہذا اللہ پاک نے اسکو حرام کیا
یہ خیال کرکے انسان لحاظ رکھے کہ مسلمانوں سے بغض وعداوت اُسکو نہو ورنہ شراب و
جوا چھوڑنے کا ایک نفع یہ اُسکو حاصل نہوا علیٰ ہٰذا القیاس ایک ایک حکم میں مصالح شتّیٰ
مرعی ہیں۔ نماز میں مقصود اصلی خضوع۔ اظہار تعبّد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا چار چیز صاحب
سیرۃ النعمان لکھتے ہیں ہر چند نماز میں بہت سے مصالح ہیں۔ نماز کے ہر ہر فعل و ہر ہر
ادامیں خاص خاص باتیں ملحوظ ہیں جنکا ذکر یہاں موجب تطویل ہے جسکو شوق ہو حجۃ اللہ
البالغہ وغیرہ کے طرف رجوع کرسکتا ہے مگر میں اس موقع میں صرف انھیں چار امور (جنکا
ذکر صاحب سیرۃ النعمان نے کیا ہو) کے اعتبار سے کلام کرتا ہوں خشوع وخضوع قلب
وجوارح دونوں سے متعلق ہیں آیات کریمہ تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم
ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ وخشعت الاصوات للرحمٰن اسکی دلیل ہیں
بنا برایںکے نماز میں انسان کی حالت ایسی ہونی چاہیئے کہ جوارح اس وضع سے ہوں کہ
گرویدگی وتواضع کے آثار اُس سے ظاہر ہوں آواز سے خوف عبودیت ٹپکتی ہو قلب
میں خشیت وذکر الٰہی بھرا ہو تو البتہ نماز موجب نجات حاصل ہو۔ قال اللہ تعالیٰ قد افلح
المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون یعنی فلاح والے وہ ایماندار ہیں جنکو نماز
میں خشوع رہتا ہے۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا۔ ان باتوں کے لیئے تکبیر
قرأۃ۔ رکوع۔ سجود کا رکن نماز ہونا اسکو صاحب سیرۃ النعمان بھی مانتے ہیں اور فرماتے ہیں

(اسقدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلّم رہا) میں کہتا ہوں کہ یہ بات ٹھیک ہے مگر امام ابوحنیفہ نے ان ارکان کا اسقدر مرتبہ گھٹایا جس سے مقصود اصلی نماز کا بالکل فوت ہوجاتا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں قراۃ صرف دو رکعت میں فرض ہے اور وہ بھی اسقدر کہ قرآن کی ایک آیۃ کہیں کی کسی مضمون کی ہو مثلاً مدھامتان (دو باغ سبز) صرف نماز میں کوئی کہلے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض ادا ہوجائیگا حالانکہ اسقدر قراءۃ سے نہ خشوع خضوع حاصل ہوسکتا نہ اظہار تعبّد نہ اقرار عظمت الٰہی نہ دعا۔ رکوع سجود کا مرتبہ بھی امام ابوحنیفہ نے اسقدر گھٹایا کہ اُس سے کوئی بات حاصل نہیں ہوسکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک رکوع میں صرف جُھکنا اور بالکل نہ ٹھہرنا فرض ہے اور سجود بھی اُنکے نزدیک اسیقدر فرض ہے کہ دو دفعہ سر زمین میں لگا دے یعنی جیسے دو چونچ مار لینی جس سے خضوع۔ اظہار تعبّد اقرار عظمت الٰہی۔ دعا کچھ نہیں حاصل ہوسکتا امام ابوحنیفہ کی نگاہ اگر اسرار شریعت پر ہوتی تو ارکان نماز کا اسقدر رتبہ نہ گھٹاتے خلاف اُنکے اور ائمہ نے نماز کی غرض اصلی کا لحاظ رکھا اور نماز میں قراۃ فرض اسقدر رکھی کہ جسمیں خضوع کے مضامین ہوں اور اظہار تعبّد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا سب کو شامل ہو اور ساتھ اسکے آسان بھی ہو یہ باتیں سورۂ فاتحہ میں پائی جاتی تھیں اور احادیث صحیحہ اسپر شاہد تھیں اللہ پاک نے انھیں مضامین کی جامعیت کے لحاظ سے سورۂ فاتحہ کو صلوٰۃ فرمایا جسپر صحیح مسلم کی روایت (قسمت الصلوٰۃ الحدیث) دلالت کرتی ہے۔

رکوع سجود کو بھی اور ائمہ نے اسطرح فرض کہا جس سے غرض اصلی نماز کی حاصل ہوسکے یعنی

رکوع سجود میں ٹھہرنا اور اسمیں ذکر الٰہی کرنا رسول اللہ صلعم نے ایک شخص کو جسنے رکوع سجود میں جلدی کی تھی فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی اسکی وجہ یہی تھی کہ اس شخص نے رکوع سجود ایسا کیا تھا جس سے مقصود اصلی نماز کا حاصل نہیں ہوسکتا تھا امام ابوحنیفہ کا ذہن اگر اس نکتہ کی طرف جاتا تو ان امور کو وہ ضرور فرض کہتے ۔

زکوۃ کے بارہ میں بھی امام شافعی کا ذہن اس نکتہ کی طرف گیا ہی کہ اگر استیعاب مصارف کی قید اٹھا دیجائیگی تو لوگ جس مصرف خاص میں انکی خواہش ہوگی اسی میں زکوۃ خرچ کردینگے اور دوسرے بیچارے محروم رہجائینگے اور استیعاب مصارف کے شرط میں لوگوں کو سارے مستحقین کا لحاظ رہیگا امام ابوحنیفہ نے اس نکتہ کو نہیں خیال کیا ۔

اسیطرح ہر جنس کی زکوۃ اسی جنس کے ہونے میں فقرا و مساکین کو تمتع میں اسی قسم کا لطف ملیگا جیسے اغنیا کو ہر جنس میں ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے امام ابوحنیفہ رح کی نگاہ شریعت کے اس نکتہ کو نہیں پہنچی ۔

اس قسم کی تقریر جمیع مسائل میں ہوسکتی ہی لیکن مسائل شرعیہ کو ہم اسطور پر طے کرنا اچھا نہیں سمجھتے اگر صاحب سیرۃ النعمان دلائل شرعیہ کی حیثیت سے کلام کرتے تو البتہ اہل علم کو موقع سخن تھا ۔

صاحب سیرۃ النعمان نے قراءۃ فاتحہ کے مسئلہ میں بھی کلام کیا ہی اور امام بخاری پر آپ اعتراض کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں (قراءۃ فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیہ پر ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا امام بخاری جزء القراءۃ میں فرماتے

ہیں کہ یہ آیۃ خطبہ کے بارہ میں ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں امام بخاری کا یہ جواب کسقدر حیرت انگیز ہے اسلئے قولہ یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیۃ کا حکم جو صریح عام ہے خاص نہیں ہو سکتا **میں** کہتا ہوں کہ یہ صاحب سیرۃ النعمان کی کوتہ اندیشی اور ضیرہ چشمی ہے امام بخاری نے جزء القراءۃ میں امام ابوحنیفہ کے اس استدلال کا جواب عموم لفظ اور خصوص مورد دونوں اعتبار سے دیا ہے۔ مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ کلام خصم کی تشقیق کرکے ہر شق کا جواب دیتے ہیں امام بخاری نے اُسی قاعدہ سے اس آیۃ کا جواب اولاً باعتبار عموم لفظ کے دیا کہ تم خود اس عموم کو سنت فجر میں نہیں قائم رکھتے کیونکہ تمھارا مسئلہ ہے کہ اگر امام صبح کی نماز میں قراءۃ کر رہا ہو اُسوقت اگر کوئی نمازی آوے اور اُسنے سنت نہ پڑھی ہو تو اولاً سنت پڑھ لے اس صورت میں آیۃ اپنے عموم پر نہیں رہتی تمنے جب سنن میں آیۃ کی تخصیص کی تو فرض یعنی قراءۃ میں عموم آیۃ کی تخصیص کیوں نہیں ہو سکتی سنت فجر کی صورت میں تو کوئی مخصص صحیح بھی موجود نہیں اور یہاں تو عبادہ بن صامت و دیگر صحابہ کی روایت مخصص صحیح موجود ہے۔

اور اگر خصوص مورد کے اعتبار سے تمھارا استدلال ہے تو یہ خصوص مورد ثابت نہیں کیونکہ اس کا مورد خطبہ ہے نہ صلوٰۃ یہ تقریر امام بخاری کی اُنکی کمال مناظرہ دانی کی دلیل ہے خلاف اسکے امام ابوحنیفہ کے مناظرے جنکی اجمالی کیفیت ہم اوپر لکھ چکے ہیں اسی مسئلہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام میں صاحب سیرۃ النعمان نے صفحہ ۵۸ میں امام ابوحنیفہ کا ایک مناظرہ لکھا ہے جسکو بلفظہ میں نقل کرتا ہوں (ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قراءۃ

خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں امام صاحب نے کہا اتنے آدمیوں سے میں تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اُسکی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے لوگوں نے منظور کیا امام صاحب نے کہا آپنے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا آپنے جسطرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا اسیطرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قراءۃ کا کفیل ہے)۔ **میں** کہتا ہوں کہ اس مناظرہ میں کوئی دلیل شرعی مذکور نہیں عقلی طور پر بھی جو تقریر ہے کیسی پوچ ہے دار مدار اس مناظرہ کا اسپر ہوا کہ جسطرح سب کی طرف سے ایک شخص کو بحث کا مختار کر دیا اُسیطرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قراءۃ کا کفیل ہے حالانکہ وجہ شبہ (مختار کرنا) نماز میں نہیں پائی جاتی مقتدی یہ نہیں کہتا کہ میری طرف سے امام نماز کا مختار ہے اگر صاحب سیرۃ النعمان کہیں کہ اقتدا کرنا ہی مختار کرنا ہی تو میں کہونگا کہ اولاً یہ غلط ہی کیونکہ اقتدا سے معیت فی العبادۃ مقصود ہی جیسے کریمہ وارکعوا مع الراکعین شاہد ہے دوسرے اگر یہ بات صحیح ہو تو قراءۃ کی کیا تخصیص ہے لازم یہ ہے کہ کوئی رکن نماز کا مقتدی نہ بجا لاوے تکبیر تحریمہ ثنا تسبیح التحیات مقتدی کچھ نہ پڑھے حالانکہ یہ امام ابو حنیفہ بھی نہیں کہتے پھر یہ تقریر امام ابو حنیفہ کی کون قسم کی ہوئی۔ ذرا صاحب سیرۃ النعمان امام صاحب کی تقریر قواعد مناظرہ سے ٹھیک تو کر دیں خصوصاً مسائل شرعیہ میں جنمیں دلائل شرعیہ ہونے چاہئیں۔

باقی رہا صاحب سیرۃ النعمان کا یہ کہنا (بیسیوں روایتوں سے ثابت ہی کہ یہ آیۃ نماز میں اُتری ہی)

اگر صاحب سیرۃ النعمان انہیں سے کسی روایت کا ذکر کرتے تو انشاء اللہ ایسا جواب پاتے جس سے وہ خوش ہو جاتے آپ کا یہ طرز مجتہدانہ و محدثانہ ہے کہ امام بخاری کے ایک وجہ جواب کو ذکر کرکے اعتراض کر دیا اور لکھدیا کہ کسقدر حیرت انگیز ہے۔ علاوہ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خصوص مورد کے اعتبار و عدم اعتبار میں حنفیہ خود مختلف ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کتب اصول پر آپ کی نگاہ نہیں پڑی۔

صاحب سیرۃ النعمان نے تین اعتراض اور امام بخاری پر کیئے ہیں فرماتے ہیں (امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیئے امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے) میں کہتا ہوں کہ یہ حنفیوں کا پرانا اعتراض ہے جسکے خوب خوب جواب ہو چکے ہیں صاحب سیرۃ النعمان کو بمقتضائے دعوی طرز مجتہدانہ یہ چاہتا تھا کہ کوئی نئی تقریر فرماتے اور اُن وجوہ جواب میں کلام کرتے اور دعوی طرز محدثانہ کا مقتضا یہ تھا کہ آپ آمین بالجہر کی ساری حدیثوں کا جواب دیتے اور یہ آپنے نہ کیا اور نہ آپسے ہو سکتا تھا ارباب دیانت صاحب سیرۃ النعمان کے اعتراض کی حقیقت سُنیں اور جواب ملاحظہ فرمائیں۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں آمین کے متعلق تین باب آگے پیچھے منعقد کیئے امام کے بجہر آمین کہنے کا باب آمین کہنے کے فضیلت کا باب مقتدی کے بجہر آمین کہنے کا باب۔ اور تینوں باب میں امام بخاری تین حدیثیں لائے پہلے باب میں یہ حدیث ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ اور دوسرے باب میں یہ حدیث ہے کہ جب کوئی آمین کہتا ہے تو ملائکہ آسمان میں آمین

کہتے ہیں دونوں آمینیں ساتھ ہوتی ہیں تو اُس شخص کی اگلی گناہیں بخشی جاتی ہیں اور تیسرے باب میں یہ حدیث ہی کہ جب امام ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو پہلی حدیث سے امام کا بجہر آمین کہنا اسطرح ثابت ہی کہ مقتدی کا آمین کہنا اُسپر معلق ہے اگر امام زور سے آمین نہ کہیگا تو مقتدی کو کیونکر معلوم ہوگا کہ امام نے آمین کہی یا نہیں اور مقتدی کا آمین بالجہر کہنا اُس سے اسطرح ثابت ہی کہ مقتدی اور امام کی تامین دونوں متقابل واقع ہی پھر بغیر کسی قرینہ کے ایک سے مراد جہر اور ایک سے آہستہ مراد ہونی خلاف سیاق ہی جسکو عربیت کا مذاق ہے وہ اسکو خوب سمجھ سکتا ہے اسیطرح پچھلے باب کی حدیث سے جہر اسطرح ثابت ہی کہ دو قول (قال الامام ولا الضالین اور فقولوا آمین) متقابل واقع ہیں اور ایک سے مراد جہر ہونے میں اتفاق ہے پھر دوسرے قول (جو قول اول کا مقابل واقع ہی) سے مراد آہستہ ہونا خلاف سیاق ہی حنفیہ تیمم میں دونوں ہاتھ کا کہنیوں تک مسح کرنے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ تیمم میں ید مطلق واقع ہی مگر چونکہ ید مقید (جو وضو کے بارہ میں ہی) کے تقابل میں واقع ہی لہذا اُس سے بھی مراد ید مقید ہی ہوگا بنا بر اسکے حنفیہ کو یہاں بھی سمجھنا چاہیئے کہ گرچہ یہاں قول مطلق واقع ہی لیکن چونکہ اُس قول کا مقابل واقع ہی جس سے باتفاق جہر مراد ہی تو اس سے بھی وہی جہر مراد ہونا چاہیئے حالانکہ تیمم اور وضو کی آیتیں الگ الگ ہیں اور یہاں آمین کی حدیث میں دو قول ایک جملہ میں متقابل واقع ہیں ۔ علاوہ یہ کون نہیں جانتا کہ مطلق منصرف بفرد کامل ہوتا ہے اور قول بالجہر کا فرد کامل ہونا بھی کون نہیں جانتا ہے ۔

علاوہ ان وجوہ کے احادیث صحیحہ صریحہ بکثرت اس معنی پر یعنی جہر پر شاہد ہیں علاوہ اس

حدیث کے آخر کوئی معنی آپ فرمائینگے اُسکو بیان کیجیئے تو معلوم ہو آخر عبارات محتملہ میں احد الوجہین کی تعیین کی کوئی صورت ہی یا نہیں اگر ہے تو وہ یہاں پائی جاتی ہی یا نہیں ۔

—— دوسرا اعتراض صاحب سیرۃ النعمان کا یہ ہی (امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہو وضو جائز ہے امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام)

میں کہتا ہوں کہ یہ صاحب سیرۃ النعمان کی بدفہمی یا بددیانتی ہے امام بخاری نے اس مقام میں ترجمۃ الباب میں دو مسئلہ کہا ہی ۱۔ نبیذ سے وضو جائز نہیں ۲۔ مسکر سے وضو جائز نہیں اول کے نسبت امام بخاری نے چند ائمہ تابعین کے اقوال نقل کیئے اور دوسرے کے متعلق یہ حدیث لائے ہیں صاحب سیرۃ النعمان کو موقع اعتراض جب تھا کہ دوسرا مضمون جسپر حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہی ترجمۃ الباب میں نہوتا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ نبیذ تمر سے وضو جائز ہے یا نہیں اس مسئلہ کے بیان میں اولا صاحب سیرۃ النعمان نے یہ غلطی کی کہ امام ابو حنیفہ کی طرف قول بالجواز کی مطلقاً نسبت کردی حالانکہ نبیذ سے وضو جائز ہونے کے لیئے امام ابو حنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب پانی نہ ملے تب نبیذ سے وضو جائز ہے چنانچہ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام ابو حنیفہ کا قول یہی نقل کیا ہے قاضی ابو یوسف (جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے معزز ہیں) بھی اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے مخالف ہیں طحاوی نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہی اور دو اعتراض کیئے ہیں پہلا اعتراض یہ ہی کہ نبیذ مثل پانی کے ہی یا نہیں اگر مثل پانی کے ہی تو اُس سے وضو جائز ہونے کے لیئے پانی نہ ملنے کی قید لگانے کی کیا ضرورت اور اگر مثل

پانی کے نہیں ہے تو اُس سے وضو جائز ہونے کے لیئے دلیل درکار ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ صرف خرمہ کے نبیذ سے وضو جائز کہتے ہیں اور منقی وغیرہ کے نبیذ سے وضو خود ناجائز بتاتے ہیں اور اس تفریق کے کوئی معنی نہیں صاحب سیرۃ النعمان اگر امام ابو حنیفہؒ کے ناصر ہیں تو پہلے اپنے گھر ہی میں سمجھ لیں اور طحاوی کے دونوں اعتراض کا جواب دیدیں پیچھے محدثین کے طرف رُخ کریں۔

تیسرا اعتراض صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں (امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کے لیئے قراۃ فاتحہ ضروری نہیں امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندہا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر میں ہو خواہ حضر میں نماز خواہ جہری ہو یا سری قراۃ واجب ہے اس دعوی پر دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ کوفہ والوں نے حضرت عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے اُنکو معزول کر دیا اور بجاے اُنکے عمار کو مقرر کیا کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی حضرت عمر نے عمار کو بُلا بھیجا اور اُسنے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے عمار نے کہا کہ واللہ میں اُنکے ساتھ رسول کی سی نماز پڑھتا تھا اور اُس سے کچھ کم نہیں کرتا تھا میں عشا کی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔ اس حدیث سے قراۃ فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا)

میں کہتا ہوں کہ اولاً یہاں صاحب سیرۃ النعمان کی حدیث دانی اور استعداد مطالب فہمی دیکھنی چاہیئے اس حدیث کا مطلب بیان کرنے میں آپنے کیا کیا غلطیاں کی ہیں آپ لکھتے

ہیں (کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے ۔ حضرت عمرؓ نے عمار کو بُلا بھیجا اور اُنسے کہا) حالانکہ یہ محض غلط ہے اہل کوفہ نے نہ عمار کی شکایت کی تھی اور نہ حضرت عمر نے اُنکو بلا کر کہا تھا یہ سعد بن ابی وقاص کا قصہ ہے کوفہ والوں نے اُنھیں کی شکایت کی تھی اور حضرت عمر نے اُنھیں کو بُلا کر کہا تھا صحیح بخاری میں یہ روایت بایں عبارت مذکور ہے شکی اهل الکوفة سعدا الی عمر فعزله واستعمل علیهم عمارا فشکو حتی ذکروا انه لا یحسن یصلی فارسل الیه فقال یا ابا اسحاق ان هؤلاء یزعمون انك لا تحسن تصلی اس عبارت میں فشکو ۔ شکی اهل الکوفة کی تفسیر و بیان ہے فا ی عاطفہ تفسیری ہے اور بیچ میں (فعزله واستعمل علیهم عمارا) جملہ معترضہ ہے اور دلیل اسپر یہ ہے کہ حضرت عمر نے جنکو بُلا کر کہا اُنکو ابو اسحٰق کہکر خطاب کیا اور ابو اسحٰق کنیت سعد بن ابی وقاص کی ہے اور عمار کی کنیت ابو الیقظان ہے دیکھو اصابہ فی تمییز الصحابہ ۔ دوسری دلیل اسپر یہ ہے کہ اس روایت کے آخر میں دو جگہہ حضرت سعد کا نام صراحۃً مذکور ہے پورا قصہ یوں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بُلا کر پوچھا اور اُنھوں نے جواب دیا کہ میں رسول کی سی نماز پڑھتا تھا تو حضرت عمرؓ نے چند آدمی ساتھ کر کے اُنکو کوفہ بھیجا کہ کوفہ کی ہر مسجد میں جاکر اسکی تحقیق کریں وہاں جب لوگ پہنچے اور دریافت کیا تو ہر مسجد والوں نے تعریف کی مگر ایک مسجد میں ایک شخص نے شکایت کی اور حضرت سعد کا نام لیکر کہا فان سعدا لا یسیر بالسریة الخ اسپر حضرت سعد کا مقولہ مذکور ہے قال سعد ایسی صورت میں کسطرح یہ صحیح نہیں ہو سکتا کہ جنکو حضرت عمرؓ نے بُلا کر کہا تھا وہ عمار تھے ۔

دوسری غلطی صاحب سیرۃ النعمان سے اس روایت کے بیان میں یہ کی ہے کہ ذالك الظن بك

یا اباا سحاق (حضرت عمر کا مقولہ) جو اُس عبارت میں واقع ہی اُسکے معنی آپ لکھتے ہیں -
(اُن لوگوں کا یہ گمان ہی) حالانکہ یہ حضرت عمرؓ نے اپنی نسبت کہا تھا یعنی جب حضرت سعد
نے کہا کہ میں رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو حضرت عمر نے اُنکو کہا کہ یہ ر اگمان تمھارے
ساتھ ایسے ہی ہے کیونکہ حضرت سعد سابقین اوّلین عشرہ مبشّرہ میں سے تھے اور آیات و
احادیث اُنکے فضل میں وارد تھیں حضرت عمر کا مطلب یہ تھا کہ تم جیسے شخص پر بدگمانی کیسے
ہوسکتی ہے ہمارا خیال تمھاری طرف سے ایسی ہے جیسا تم کہتے ہو اس جملہ کا یہ مطلب کسیطرح
ہو نہیں سکتا کہ حضرت عمر نے اہل کوفہ کی نسبت کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہی اہل کوفہ
کا مقولہ تو حضرت عمر پہلے فرما چکے انّ ھٰؤلاء یزعمون انلت لاتحسن تصلی یعنی یہ لوگ کہتے
ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے -
اِسجگہہ صاحب سیرۃ النعمان کے طرز مورخانہ اور محدثانہ و مجتہدانہ کا خوب پتہ لگتا ہی آپ
بایں شعور فی الحدیث جب اپنے کو محدث قرار دیتے ہیں تو امام صاحب کو محدث کہنا بہت
بجا بلکہ ضرور اور نہایت ضرور ہے -
اب اُسکا جواب سنیئے جو آپنے لکھا ہی (اس حدیث سے قراۃ فاتحہ کا وجوب کیونکر نکلا)
میں کہتا ہوں کہ اولاً امام بخاری کے ترجمۃ الباب میں مطلق قراءۃ مذکور ہی آپنے قرأۃ فاتحہ
کیوں لکھدیا دوسرے امام بخاری اس باب میں دو حدیثیں لائے ہیں آپنے ایک کو کیوں
چھوڑ دیا دوسری حدیث میں چونکہ صریح مذکور تھا کہ سورہ فاتحہ بغیر نماز نہیں ہوتی اسلیئے آپ
اُسکو کھا بیٹھے اب وجہ دلالت حدیث اول آپ ملاحظہ فرمائیں امام بخاری کے ترجمۃ الباب

کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی نماز میں قراءۃ واجب ہے اور حضرت سعد کی روایت میں جملہ اصلّی
بہم صلوٰۃ رسول اللہ فرمان نبوی صلعم صلوا کما رأیتمونی اصلّی کا بیان ہے جسمیں عموماً حکم
دیا گیا ہے کہ جسطرح مجکو نماز پڑھتے دیکھتے ہو اُسیطرح پڑھا کرو اور اس حکم سے کوئی فرد مصلّی
کا مستثنےٰ نہیں ہے اور آنحضرت کی نماز میں قراءۃ مسلّم اور متفق علیہ ہے تو ہر نماز میں بنا بر اِس
فرمان عالی شان کے قراءۃ ہونی چاہیئے اور یہی مضمون ہے امام بخاری کے ترجمۃ الباب
کا جبتک اس حکم عام سے صلوٰۃ مقتدی کا استثنا ثابت نکیا جاوے تبتک حنفیہ کو اس عام
کی قطعیت میں کوئی محل سخن نہیں ہے دوسرے امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ تھا کہ قراءۃ صرف
دو رکعت اولے میں فرض یا واجب ہے پچھلی دو رکعتوں میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قراءۃ
نہیں ہے امام بخاریؒ نے حضرت سعد کی روایت اسوجہ سے ذکر کی کہ اُس روایت میں یہ
مضمون تھا کہ عشا کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں ہم طول کرتے ہیں اور پچھلی دو رکعتوں میں
تخفیف جس سے ظاہر ہے کہ ہر چہار رکعت میں قراءۃ تھی اور اسی کو حضرت سعد نے رسول اللہ
کی سی نماز کہا پس خلاف مذہب امام ابو حنیفہ کے ہر چہار رکعت میں قراءۃ کی مشروعیت ثابت ہوئی
دوسری حدیث جو اِس باب میں امام بخاری لائے ہیں وہ قراءۃ فاتحہ کی دلیل خاص ہے
تو صورت یہ ہوئی کہ ایک باب کی دو دلیلیں بیان کیں ایک عام اور دوسری خاص یا
یوں سمجھو کہ ایک حدیث مطلق قراءۃ کی دلیل اور دوسری حدیث اُسی مطلق کی تقیید کیونکہ
مطلق آخر جب پایا جائیگا تو تحت میں کسی مقید ہی کے۔

غرض دوسری حدیث میں اسکا بیان ہے کہ مطلق قراءۃ کو تحت میں اس مقید کے پایا جانا

چاہیئے باقی رہا اگر صاحب سیرۃ النعمان نے اسکو نہیں سمجھا اور کہا کہ اس حدیث سے قراءۃ فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا تو یہ کوئی محل تعجب نہیں ہے حضرت سعد کی حدیث کا مطلب (جو ظاہر تھا) جب آپ ٹھیک نہ سمجھے تو امام بخاری کے وجوہ استدلال اور نکات استنباط کو آپ کیونکر سمجھ سکتے ہیں ۔

صاحب سیرۃ النعمان نے ان تینوں باب کے ذکر کی تمہید اولاً یہ لکھی ہے (جامع صحیح میں جہاں وہ (امام بخاری) امام ابو حنیفہ کے طرف اشارہ کرتے ہیں الخ) اس مضمون تمہید سے نکلتا ہے کہ جامع صحیح کے جن ابواب کا ذکر بعد اس تمہید کے آپ کرتے ہیں اُن ابواب میں امام ابو حنیفہ کے طرف اشارہ کیا گیا ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے ۔ امام بخاری رحؒ نے جامع صحیح میں جہاں امام ابو حنیفہؒ کے طرف اشارہ کیا ہے قال بعض الناس کہا ہے اور ان تینوں ابواب میں اس جملہ کا تتمہ بھی نہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع صحیح سے آپ بالکل واقفیت نہیں رکھتے اور آپ کا فقرہ (ہم اُس سے بھی واقف ہیں) مجرد زبانی جمع خرچ ہے ۔

تمّت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
غازۂ عنوان کتاب کریم

شیوۂ ما بر نمطِ بندگی	پیش خدا ہست سر افگندگی
آنکہ باصفاے فرامین جود	از عدم آورد جہان در وجود
نقطۂ عرفان کہ بعالم نہاد	دایرہ از فطرت آدم نہاد

فطرتِ انسان ز ذکی و غبی
اے کہ ترا معرفتِ حق زلست
جز بہ خداوم ز عبادت مزن
بندۂ حق نیست حقِ بندگی
داور داوار پرستار باش

دارد ازین مسئلہ ہم مشربی
تمغۂ توحید تو باید درست
رخنہ بارکانِ شہادت مزن
غیر خداوند پرستندگی
شیفتہ شیدا ابرار باش

بشارت بہ شہادت بہ شہدائے اولاد الرسول ۱۲

صلّی علی من ھو فی ذاتہ
فاق جمیعًا بکمالاتہ

کردہ ام از وعدہ عہد نخست
سعی دران کن کہ ز طبع دنی
رشتۂ الفت بشریعت خوش است
شیفتگی بہ نہ کہ آشفتگی
باش بخود تا علم دین شوی
گر تو زخود در گذری گم شدی
زینۂ معراج تو می رود شد
سیف و قلم را بتو گر راہ نیست

نسبت جبی بہ پیمبر درست
نظم شریعت نہ بہم بر زنی
عہد ودیعت بہ ودیعت خوش است
حیف بود ہرزہ جگر سفتگی
رہ سپرِ جادۂ تمکین شوی
دور ز ساحل بہ تلاطم شدی
جیفۂ سرِ تاج تو مفقود شد
منزلتے نیز بدرگاہ نیست

مسکنہ زیک عمر درین غمکدہ
دست بدامان پیمبر زدہ

[illegible]

ہر سحرے ہمچو سحرگاہ عید
گوش برآوائے لدینا مزید

مشعلے از نور برافروختہ — چشم بہ سیمای نبی دوختہ

بستہ کمر تا کہ درین داورے — کس نہ زند راہ بافسونگری

گرچہ فسون کاری افسون گران — خیرہ کند دیدۂ دانشوران

اہل خرد راہ دین میزنند — ہم ز کمان ہم زکمین میزنند

شیوۂ این جمع باقرار خویش — نیست جز ابداع بہنجار خویش

در رہِ دین طرح دگر ریختن — ناسرہ را با سرہ آمیختن

بزم نوی بہر تماشاے نو — بادۂ نو باز بمیناے نو

وای برین بزم و تماشاگری — زمزمۂ تازہ بخنیاگری

شعلۂ جمعیت باہم زدن — شعبدۂ تازہ فراہم زدن

حلقۂ عشرت کدہ برہم زدن — غلغلہ افگندن و درہم زدن

شیشہ شکستن بجگر جام را — رنگ بریدن مئ گلفام را

زخمہ کہ بر تارِ رقم میزنند — سلسلۂ نغمہ بہم میزنند

عشوہ چو در سحر طرازی دہند — رنگ حقیقی بہ مجازی دہند

باہمگی کاوش و کاویدنی — سنگ و خزف جای گہر چیدنی

غارت بتخانۂ چین گر کنند — رسم صنمخانۂ دیگر کنند

لابہ کنان آمدہ در میکدہ — سنگِ ستم بر سرِ مینا زدہ

خواستنِ وایہ بہ آوارگی — دربدر آوارہ ز بیچارگی

نقل روایت ز سلف مایہ نیست — جنس امانت پی سرمایہ نیست

هان مگر آن مایهٔ تحریف حرف — وایه بود بهر حریفان شگرف
سهم که در قسمت ایمان زنند — قرعه به احبار و به رهبان زنند
نسبت مذهب که به اعیان کنند — سوی فلان جانب بهمان کنند
نام پیمبر به پرستشگری — کوفه و بصره سر پیغمبری

کار خدا و نه پئے دیگران
نیست بجز لعبت بازیگران

سیرت احمد بنگر اے ولی — ها هی تمد یلت صراط السوی
پرتو نور رخ ایمانیان — کور کند مشعل نعمانیان
اهل حدیثیم که گر سر نهیم — بر جهت باب پیمبر نهیم
ناصیه گر سوی زمین می بریم — بر اثر خواجهٔ دین می بریم
احمد مرسل که نگوید سخن — تا نه نهد وحی زبان در دهن
رهبر دین شاه رسل فخر کل — از فلکش رشتهٔ قُل لا تقُل
آنکه بهنگامهٔ زشتت غبار — از سر کفار برآرد دمار
از سر خیر بشر کن سخن — باز زهر دائره سر کن سخن
منقبت جملهٔ بزرگان دین — هست سزاوار بیان بالیقین
فضل ذوی الفضل نمودن خوش است — زنگ ز آئینه زدودن خوش است
لیک بهنگام ستائشگری — بگذر از اندازهٔ سخن پروری
باش ستائشگر خاصان حق — لیک مکش دست ز دامان حق

کارِ خدا بهرِ خدا ساختن — حق زِ باطل جدا ساختن
هر چه بلند ست و یا پست خویش — جانب حق رامده از دست خویش
هر که ستائی زحدیث و عتیق — طعنه مکن بر دگران اے رفیق
بر رگِ جان بیهُده نشتر مزن — سنگ جفا بر سرِ گوهر مزن

سیرۂ نعمان چو گذشت از نظر
دیدمش اکثر بهمین رهگذر

کوفه اش از هر دو جهان در سرست — کوفه مگر منزلِ پیغمبر ست
فی المثل از کوفه دلش برده است — از دگران چیست که آزرده است
عشق ابا کوفه گوارا کند — طعنه به ارباب بخارا کند
بود مراین طایفه امثالِ هم — پایه بسنج اے به تعقب علم
تجربه بلبل به خارا مکن — طعنه به ارباب بخارا مکن
آنکه به هنگامه اگر دل نهاد — بهرِ نبی رخت بمنزل نهاد
عربده را پای تخت شکست — بهر نبی زانوے اشتر بپست
مهر و شہے صبح و مسارا از و — نور فشان شهر بخارا از و
بهر احادیث کتابے نهاد — مسئله بر مسئله بابے نهاد
شرط روایت که عیان کرده است — بر خبر از صدق ضمان کرده است
حامل اسنادِ حدیثِ نبی است — بر شدن از وی همه بوالعجبی است

سیرۂ نعمان چه کنی اے حکیم

هل هی تهدیك صراط القویم

آنکه بهنگام سخن کردنش
گه به سجاری شررافشانیش

ای عجب از دعوی اسلام و دین
ای عجب از دعوی این نام و ننگ

خون عزیزان نه رقیم گردنش
گه هدف از قاروهٔ حرّانی اش

بود نه شبلی نه جنید اینچنین
هست همان قصهٔ کافور و زنگ

دیدن من سکر نه سزاوار بود
خامشی از وے نه بهنجار بود

لاجرم از ذمه برون آمدم
نظم پے نظم در انداختم

وز پی نثر آنچه که مسطور هست
پیشتر از پیشتر از پیشتر

بر روش فارس و هند و عرب
گرچه من از اهل زبان نیستم

دعوی یاران که زبانی بود

شمهٔ از پیش فزون آمدم
رشته به سلک گهر انداختم

در ورق گوهر منثور هست
نصرت حق را که به بستم کمر

سوی حریف آمده ام بر طلب
شکر که عاری ز بیان نیستم

نازشم از ذوق معانی بود

نصرت حق کرده ام اندر کلام
کار من اینست دگر والسلام

تمت

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
(کتب مطبوعہ مصر)		الدرالثانی شرح ارشاد لعلی بن حسن العبی		فوات الوفیات	سہ
تفسیر خازن و برحاشیہ تفسیر مدارک کامل	عـہ	صلی اللہ علیہ وسلم و برحاشیہ حصن حصین ...	سہ	تاریخ کامل لابن اثیر برحاشیہ تاریخ العتبی	عـ۵
تفسیر خطیب و برحاشیہ تفسیر دیگر کامل	معـ۵	کتاب الاستفادہ	عـہ	سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان لغلام علی	
تفسیر کشاف مع شرح الشواہد	عـ۵	معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام	صہ	آزاد مطبوعہ بمبئی	ہیپ
تفسیر جلالین و برحاشیہ کتاب لباب		(کتب تصوف)		(کتب ادب)	
النزول والناسخ والمنسوخ	عہگ	الفتح الربانی لشیخ عبد القادر جیلانی	سہ	مستطرف فی کل فن مستظرف لشہاب الدین	
تفسیر سورہ یٰسین للرازی	۱۰ر	خزینۃ الاسرار و برحاشیہ حصن حصین ...	عـگ	برحاشیہ ثمرات الاوراق لابن حجہ	للعہ
تفسیر معالم التنزیل مجلد	صعـ۵	مکارم الاخلاق و برحاشیہ شمائل المصطفیٰ	عـہ	مطول مع حاشیہ سید مجلد	صہ
جمل و برحاشیہ اعراب القرآن	سعـ۵	نزہۃ المجالس و برحاشیہ طہارۃ القلوب		کشکول بہاؤ الدین و برحاشیہ کتاب ادب	
(کتب حدیث)		لعلام الغیوب	سہ	الدنیا والدین	سہ
صحیح بخاری مع حاشیہ سندی	لعہ	تعلیم المتعلم	۶ر	تعریفات جرجانی و رسالہ اصطلاحات صوفیہ	عہ
طریقہ محمدیہ	عہ	تاج العروس فی تہذیب النفوس	۱۲ر	شرح دواوین خمسہ	عگ
شرح طریقہ محمدیہ للنابلسی	صعـ۵	(کتب تواریخ)		اللطائف والظرائف	۱۲ر
شرح طریقہ محمدیہ للخادمی	سـ۵	مروج الذہب و برحاشیہ روضۃ المناظر		شرح عقود الجمان	عہ
شرح شرعۃ الاسلام	للعہ	فی اخبار الاوائل والاواخر	عـ۵	ریحان الالباخفاجی	عگ
فتاویٰ حدیثیہ	عگ	آثار الاول فی ترتیب الدول ...	عگ	روض الاخیار المنتخب من ربیع الابرار	
تدریب الراوی	سہ	نفحات الرضا والقبول فی فضائل المدینہ		فی علم المحاضرات	عگ
(کتب فقہ)		و برحاشیہ بغیۃ الاحلام	عہ	خزانۃ الادب لابن حجہ و برحاشیہ چند کتب	سہ
رد المحتار مع تکملہ	عـ۵	و برحاشیہ السیر بخیر البشر	۱۰ر	شرح حماسہ للتبریزی	سـ۵
الاشباہ والنظائر	سہ	نزہۃ الاسماء والابصار	۱۲ر	کامل للمبرد	لعہ
اسعاف فی احکام الاوقاف	عہ	عجائب المقدور فی اخبار تیمور	عہ	شرح التنویر علی سقط الزند	صہ
البنانی علی جمع الجوامع	سہ	تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار جبرتی	صعـ۵	(کتب طب)	

اعلان

ہمچو جم جرعۂ می کش کہ ز سرِّ ملکوت ✤ پرتوِ جامِ جہان بین دہدت آگاہی

کہاں ہیں شائقین علوم اور کدھر ہیں محدثین اہل اسلام ادھر متوجہ ہوں اور دیکھیں کہ دم کے دم میں کسکا جلوہ نمایاں ہونیوالا ہی اور کون اپنے جمال جہاں آرا کا اُن ذروں پر جنھیں کہ اندھیرا اپنے قلم سے نکلنے ہی نہیں دیتا عکس ڈالکر چمکا دینے والا ہی کسکے شوق دیدار میں ستارے آنکھیں پھاڑے شب بھر بیٹھے رہتے ہیں اور ماہتاب کس حسن عالمتاب کے آگے اپنی صورت پھیکی پاکر سویرے منھ ڈھانک کر روانہ ہوجاتا ہے کسکی پیشقدمی کے لیئے آفتاب یوں دوڑا جاتا ہی وہ رفع الالتباس عن بعض الناس اور حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان ہے شعر روی خوبست وکمالِ ہنر و دامن پاک ✤ لاجرم ہمت پاکانِ دو عالم با اوست ✤ گرچہ شیرین دہنان پادشہانند ولی ✤ آن سلیمان زمان ست کہ خاتم با اوست ✤ اب سنیئے کہ رفع الالتباس عن بعض الناس کیا ہی اور اسمیں کس قسم کا نور نمایاں ہے۔ بعض الناس فی دفع الوسواس نام ایک رسالہ حنفیہ نے کسی ازقدماے کاملین کو اسکا مصنف بتاکر بخاری مطبوعہ مطبع نظامی سنہ ۱۳۰۹ھ کے آخر میں چھاپکر لگایا ہی اور اسمیں امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہت سی نکتہ چینیاں اور حد سے زیادہ اختراعات کیئے ہیں انھیں اختراعات و نکتہ چینیوں کے جواب میں یہ رسالہ کسی از محققین کاملین نے تصنیف کیا ہی بسبب کمال تقوی و ورع و اخلاص کے مصنف نے اپنا نام تک ظاہر نکیا شائقین اس رسالہ کے دیدار کے تمنا میں آنکھیں در سے لگائے بیٹھے تھے ہمنے اُنکی آرزو پوری کرنے کے لیئے اس رسالہ کو نہایت اہتمام و صحت بلیغ سے طبع کرادیا اور حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان میں کس قسم کا جلوہ دکھایا گیا ہی جناب مولوی شبلی صاحب نعمانی نے ایک سوانح عمری امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرۃ النعمان نام تصنیف کی ہی جو ان دنوں بہت شائع ہی اسمیں جناب موصوف نے بہت سے اعتراضات حدیث اور ائمہ حدیث پر کیئے ہیں۔ حدیث اور فقہ کو ہم پلہ قرار دیا ہی اور مدح امام ابوحنیفہ رح کے مقابلہ میں محدثین کی اہانت کی ہی۔ یہ اُسیکا جواب ہی اس کتاب میں حدیث اور اصول حدیث اور سیرۃ محدثین کے متعلق بحثیں ہیں اور اُن اعتراضوں کے جواب ہیں جو مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں کیئے ہیں اور اُن مسائل کلامیہ و حدیثیہ کی بھی تحقیق ہی جنپر امام ابوحنیفہ